کرشن چندر

آنکھ کی چوری

صبح وہ میری کنپٹی کو چومتے ہوئے شوخ لہجے میں
بولی: "اب تمہاری ٹانگ میں درد نہیں ہوتا؟"
میں نے ہنس کر کہا: "میں نے لنگڑانے کا بہانہ کیا
تھا۔" وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ "میں نے پہلی نظر
میں ہی بھانپ لیا تھا۔" رات کے اندھیرے میں
اس کی ہنسی پھولوں کی جھڑی کے مانند بکھر گئی....
وہ خود بھی نہ جان سکی کہ اس ہنسی میں، اس کا پیار
جھلک رہا تھا یا اداکاری......

پرائیویٹ لمیٹڈ
جی۔ ٹی۔ روڈ
شاہدرہ، دہلی ۳۲

(کمال پرنٹنگ پریس، دہلی)

آنکھ کی چوری
کرشن چندر

AANKH KI CHORI

DETECTIVE NOVEL

KRISHAN CHANDER

قیمت : ڈھائی روپے

لانبے قد کے بے حد مضبوط جسم والے ہیمنت سنگھ نے کلکتہ سینٹرل ہسپتال کے سامنے اپنی کار روکی پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی چینی لڑکی سے کہا۔

"وہ.... پھلوں والی ٹوکری اٹھالو۔"

پھلوں والی ٹوکری ایک دلہن کی طرح سجی ہوئی تھی۔ ٹوکری کے اندر سرخ مخملیں کپڑے کے اوپر سیب، انار، انگور، سپتا پھل، بگو گوشہ، ناشپاتی، آلو بخارہ اور سنگترے سجے ہوئے تھے اور ٹوکری کی ہتھی پیار اس کے چاروں طرف زرتار دھاگے لپٹے ہوئے تھے۔ ٹوکری سے عطر کی بھینی بھینی مہک آرہی تھی۔ چینی لڑکی بھی بے حد قبول صورت تھی۔ اس نے طاؤسی رنگ کے بروکیڈ کا فراک پہنا ہوا تھا۔ جس کے نیچے سے اس کی سڈول ٹانگیں بار بار دکھائی دے جاتی تھیں۔ بے حد سجنے کے بعد بھی اس کی آنکھوں میں حزن و ملال کی ایک ہلکی سی جھلک تھی۔

وہ لفٹ میں تیسری منزل تک گئے۔ تیسری منزل کے وسیع اور صاف برآمدے میں ہیمنت سنگھ لکڑی کے ایک بنچ پر بیٹھ گیا اور مسکرا کر چینی لڑکی سے کہنے لگا۔ "یہ پھلوں کی ٹوکری تم پرائیویٹ وارڈ کے کمرہ نمبر چھ میں لے جاؤ۔ کہنا ہیمنت سنگھ نے بھیجی ہے۔"

"کون ہے وہ؟" چینی لڑکی نے متجسس نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"تم نہیں جانتیں اُسے۔ تمہارے لئے وہ اجنبی ہے۔" ہیمنت سنگھ نے اپنی تقریباً سفید کنپٹیوں کو ذرا سا چھو کر کہا۔ جہاں اس نے چھوا وہاں زخم کا ایک پرانا نشان سا تھا۔

"تو آپ خود کیوں نہیں چلتے میرے ساتھ؟" چینی لڑکی نے دوبارہ پوچھا۔

"تم جاؤ۔" ہیمنت سنگھ نے مسکرا کر کہا۔ "میں بعد میں آؤں گا۔"

چینی لڑکی کچھ نہ سمجھی۔ پھر آہستہ سے سر ہلا کر آگے چل دی۔ ہیمنت سنگھ بینچ پر بیٹھا رہا۔ اس کی مسکراہٹ بڑی عجیب تھی۔

لمبے برآمدے سے گزر کر کمروں کے نمبر پڑھتی ہوئی جب وہ کمرہ نمبر چھ پر پہنچی تو اس نے کھلے دروازے کے اندر ایک چوڑی اسکرین دیکھی جس میں سے کمرے کا حصہ نظر نہیں آتا تھا۔

کمرے کے اندر سے ایک ادھیڑ عمر کی نرس ایک برتن میں انجکشن کا سامان لے کر نکلی جیسے وہ سٹر لائز کرنے کے لئے لے جا رہی تھی۔ وہ خوبصورت چینی لڑکی کو دیکھ کر ٹھٹکی۔ پھر اس کے ہاتھ میں پھلوں کی ٹوکری دیکھ کر اس کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی۔

بولی۔ "اس کے لئے پھل لائی ہو۔ اندر چلی جاؤ۔ خوددرے دو وہ جاگ رہا ہے۔"

اس کی گفتگو سے چینی لڑکی اتنا تو سمجھ گئی کہ کمرہ نمبر چھ میں رہنے والا مریض کوئی مرد ہے۔

وہ بائیں طرف اسکرین کو ذرا سا ہٹا کر اندر گئی تو مریض بڑے بڑے
تکیوں کی ٹیک لگائے ہوئے بیٹھا تھا۔ اس کا چہرہ ایک بڑی سی کتاب
میں چھپا ہوا تھا۔
چینی لڑکی نے بڑی میٹھی آواز میں کہا۔ "کیا میں اندر آسکتی ہوں؟"
مریض نے کتاب اپنے چہرے سے ہٹائی۔
چینی لڑکی کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ چند لمحوں تک وہ ساکت
کھڑی رہی۔ اس طرح دیکھ رہی تھی کہ جیسے وہ جو کچھ دیکھ رہی ہو اس پر
اسے اعتبار نہ آرہا ہو۔ پھر وہ کھڑی کھڑی ڈولنے لگی۔ پھلوں کی ٹوکری
اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ وہ دوڑ کر تکیوں کا سہارا لے کر بیٹھے ہوئے
مرد کے سینے سے جا لگی اور سسکتے ہوئے کہنے لگی۔
"اپریل تم زندہ ہو ۔۔۔ تم زندہ ہو۔؟"
جس کو اس نے اپریل کہا تھا اُس کے سفید موتیوں ایسے دانت چمک
اٹھے۔ اس نے سسکتی ہوئی چینی لڑکی کے چہرے کو اٹھا کر اپنے ہاتھوں
میں لیا۔ اس کی پیشانی کو چوما۔ اس کی کان کی لو کو۔ اس کی آنکھوں کو۔
اس کے رخسار کے تل کو۔ پھر اس کے ہونٹوں کے باریک کناروں کو۔
پھر گردن کو۔ پھر اس نے بروکیڈ کی فراک کا اوپر کا ہک کھول دیا۔ اور
ان دہکتی ہوئی وادیوں اور گھاٹیوں پر دونوں ہاتھ رکھ کر اس چینی لڑکی
کو زور سے بھینچ کر بے حد قریب کر لیا۔ پھر وہ اسے والہانہ چومنے لگا۔
گہرے طریقے سے ہونٹوں کے اندر ہونٹ اور زبان کے اندر زبان۔
جیسے دونوں ایک دوسرے میں تحلیل ہوئے جا رہے ہوں۔ بہت سے
لمحے بیت گئے پھر بڑی کوشش سے لمبی راحت آمیز سانس لے کر اس

چینی لڑکی نے اپنے کٹے ہوئے بال جھٹکائے اور اس کے کندھے پر سر رکھ کر بولی۔

"ابھی تک یقین نہیں آتا کہ تم زندہ ہو۔"

چینی لڑکی نے اپنی نازک انگلیوں سے اس کے چہرے کے ہر حصے کو بڑے پیار سے چھوا۔ جیسے وہ ہر حصے کی گزری ہوئی یاد تازہ کر رہی ہو۔ پھر وہ انگلیاں پھیر پھیر کر اس مرد کے چہرے کے ہر حصے کو چھوتی گئی اور اوں اوں کرتی گئی۔ ہر بوسے کے بعد اس لڑکی کے ہونٹوں سے شراب کی چسکی کی سی آواز پیدا ہوتی تھی۔ اور پھر پیار سے ایک اوں۔ آوں۔ آہا۔

"میں پاگل ہو جاؤں گی۔" وہ بے اختیار بولی۔ "میرا اپریل زندہ ہے۔"

"ہاں میمنے ......" وہ مرد بولا۔ "میں نے تم سے ہانگ کانگ میں کہا نہیں تھا۔ اپریل سدا میمنے کا پیچھا کرتا ہے۔ میں تمہیں اس دنیا میں اکیلا کیسے چھوڑ سکتا تھا!"

"مگر ..... میمنے نے ایک لمبی سانس لے کر کہا۔ "میں نے خود تمہیں ان سیڑھیوں پر گولیوں کی بارش سہتے دیکھا تھا۔ تیس چالیس گولیاں دشمنوں نے چلائی تھیں۔ اتنی گولیاں کھا لینے کے بعد کوئی زندہ کیسے رہ سکتا ہے۔ یہ معجزہ کیسے ہوا، آروند ......؟"

آروند لالی بولا ــــ "میں نے اپنے کپڑوں کے اندر گولیوں سے بچانے والی فولادی بلٹ پروف بنیان پہن رکھی تھی۔ میرے کسی نازک مقام پر گولی نہیں لگی۔ جو مجھے ہلاک کر سکتی۔ البتہ پاؤں میں چار گولیاں ضرور لگیں۔ جو اب نکالی جا چکی ہیں۔ پندرہ بیس دن میں بائیں پاؤں کا پلاسٹر

بھی نکل جائے گا۔ پھر میں ہسپتال کی قید سے آزاد ہو جاؤں گا اور تم سے شادی کر لوں گا۔"

"آخری بات غلط ہے۔ باقی سب صحیح ہے۔" کمرے میں ایک بھاری آواز سنائی دی ۔۔۔۔ اروند مالی اور مینے نے سر اٹھا کر دیکھا کمرے میں ہیمنت سنگھ آچکا تھا۔ اس نے فرش پر گری ہوئی ٹوکری اٹھائی۔ اس میں پھل رکھے اور انہیں لکڑی کے ایک ریک پر جیلی کے ڈبوں کے قریب رکھتے ہوئے بولا۔

"مینے کو ہم نے ملازم رکھ دیا۔ اور تم جانتے ہو۔ دو خفیہ ایجنٹ ایک دوسرے سے شادی نہیں کر سکتے۔ مسٹر اروند مالی عرف پرمل۔"

اروند مالی نے چونک کر ہیمنت سنگھ کی طرف دیکھا۔ پھر مینے کی طرف۔ جو اب الگ ہو کر ایک کرسی پر بیٹھ چکی تھی۔ اروند نے شکایت آمیز نگاہوں سے مینے کی طرف دیکھا۔

مینے اپنے بروکیڈ کے فراک کے ایک کونے کو مسلتے ہوئے بولی

"مجھے اس وقت کے بعد اب معلوم ہوا ہے کہ تم زندہ ہو۔ مجھے پورا یقین تھا کہ تم مر چکے ہو۔ ہانگ کانگ کے اس واقعے کے بعد جیسی گولیاں کھانے کے بعد میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم زندہ رہو گے۔۔۔ تمہارے دشمنوں نے بھی یہی سمجھا کہ تم مر چکے ہو۔ اپنی دانست میں انہوں نے تمہارا کام تمام کر دیا تھا۔ اسی لئے انہوں نے چند دنوں کے بعد مجھے آزاد کر دیا۔ پھر میں ہندوستان چلی آئی۔ اپنی ماں کو لے کر اور یہ سوچ کر کہ زندگی کے باقی دن اپنے محبوب کے وطن میں گزار دوں گی۔

یہاں ہیمنت سنگھ آکر مجھ سے ملے۔ انہوں نے میرا پتہ کیسے ڈھونڈ لیا۔ میں نہیں جانتی۔ انہوں نے مجھے ملازم رکھ لیا اور زندہ رہنے کیلئے مجھے بھی ایک کام کی ضرورت تھی اور میں شادی کسی سے نہیں کرنا چاہتی تھی تمہارے بعد۔" وہ رکی پھر اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور اس نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ملا کے ہیمنت سنگھ سے کہا۔ "آپ نے بھی مجھے کچھ نہ بتایا۔"

"کیا بتاتا۔۔۔" ہیمنت سنگھ بولا۔۔۔۔ "شروع میں اس کی حالت ایسی نہ تھی کہ کوئی پُر امید بات تم سے کہی جا سکتی۔ بعد میں جب یہ اچھا ہونے لگا تو میں تمہارا پرانا ریکارڈ پڑھ چکا تھا۔ میں نے سوچا ہمارے یہاں عینی ایجنٹوں کی بڑی کمی ہے اور خصوصاً ایسی لڑکی جو اس قدر حسین بھی ہو۔"

"بلاڈی بل ہیل۔۔۔" اروند غصے سے بولا۔ "تم نے میرے ساتھ دھوکا کیا ہے۔"

"کوئی دھوکا نہیں کیا۔" ہیمنت سنگھ بولا۔ "بس اتنا ہوا کہ فرض محبت پر غالب ہو گیا۔"

"اگر میرا بایاں پاؤں پلاسٹر میں نہ ہوتا تو میں تمہیں جان سے مار دیتا۔"

ہیمنت سنگھ زور زور سے ہنسنے لگا۔ پھر بولا۔ "مجھے شادی شدہ خفیہ ایجنٹ پسند نہیں ہیں۔ بیوی ہوتی ہے تو بچے بھی ہوتے ہیں پھر دوسرے مسائل سامنے آنے لگتے ہیں۔ ایسا ایجنٹ کبھی اپنی زندگی کو خطرے میں نہیں ڈال سکتا۔ کبھی ڈبل کراس بھی کر سکتا ہے

کام سے ہاتھ بھی اٹھا سکتا ہے، لیکن مجھے محبت پر کوئی اعتراض نہیں۔ اروندمالی اور میٹے کی محبت پر بھی کوئی اعتراض نہیں۔ میٹے تمہیں دیکھنے کے لئے ہر روز یہاں آسکتی ہے۔ جب تک تم ٹھیک ہو کر ہسپتال سے ڈسچارج نہیں کر دیئے جاتے۔ میں میٹے کو کوئی کام نہیں سونپوں گا۔ مگر شادی کسی خفیہ ایجنٹ کے لئے؟ ہرگز نہیں۔"

بات تو ٹھیک کہتا ہے۔ میں اروندمالی! ایک خفیہ ہندوستانی ایجنٹ جس کی زندگی ہر وقت خطرے سے معمور رہتی ہے۔ جس کی جان کسی بھی لمحے جا سکتی ہے۔ بس ایک لمحے کی محبت ہی تو کر سکتا ہوں میں۔ میرے لئے وہ تخیل اور اس کی تمام تصویریں ممنوع ہیں۔ جن میں ایک روشن گھر ہوتا ہے۔ گھر کی دیکھ بھال کرنے والی ایک بیوی ہوتی ہے۔ انگلی سے پکڑ کر میلے لے جانے کے لئے بچے ہوتے ہیں۔ اتوار کو رمی کھیلی جاتی ہے اور دوپہر میں، بیئر کا دور چلتا ہے۔ ٹیلی فون کی گھنٹی بجتی ہے۔ میں ننگے پاؤں سلیپر چھوڑ کر اس کی طرف جاتا ہوں، اور ٹیلی فون اٹھا لیتا ہوں۔ ادھر سے کوئی دوست لمبی جمہائی لے کر کہتا ہے۔ ہیلو اروند۔ کیا کر رہے ہو؟ بور ہو رہے ہیں۔ یہاں بڑے مزے آرہے ہیں۔ آجاؤ۔ میں رسیور رکھ دیتا ہوں اور میٹے سے کہتا ہوں۔ ڈارلنگ مسٹر اور مسز رستوگی اپنے دو بچوں کے ہمراہ لنچ پر پہنچ رہے ہیں۔

ہسپتال کے کمرے میں اندھیرا سا تھا۔ نیم روشنی۔ نیم اندھیرا۔ ہسپتال میں یہ رات اروندمالی کی آخری رات تھی۔ کل صبح اسے ڈسچارج

کر دیا جائے گا ۔ مئے کرسی پر بیٹھی کیانتی پی رہی تھی ۔ گلاس ایک چھوٹی
سی میز پر ٹیبل لیمپ کے نیچے رکھا تھا ۔ وائن گلاس میں برف کی ڈلی
پگھلنے سے سرخ سرخ لہریں اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر تک
جاتی معلوم ہوتی تھیں ۔ لگتا تھا وائن گلاس میں پگھلا ہوا یاقوت دمک
رہا ہے ۔ مئے کی آنکھیں مخمور ہو چلی تھیں ۔ یہ اس کا چوتھا گلاس تھا ۔
گِٹار اس کی رانوں پر پڑا تھا ۔ ایک عرصہ سے اس نے اسے چھوا تک
نہ تھا ۔

میں نے کہا ” مئے کچھ تو سناؤ “
” کیا سناؤں ارون ؟ “ وہ محزون لہجے میں بولی ۔
” تم اس قدر اداس کیوں ہو ؟ “
” وہ مجھے تم سے دور کہیں بھیج رہے ہیں “
” کہاں ؟ “
” بتا نہیں سکتی “

” ساری — “ میں نے اپنے ہونٹ کاٹ لئے ۔ چھ مہینے تک
ہسپتال میں رہ کر میں اپنی ملازمت کے طور طریقے بھی بھولتا جا رہا تھا ۔
مئے نئے سرے سے گٹار کے سُر چھیڑ رہے ۔ بہت دھیرے سے
سے تاکہ باہر آواز نہ جائے ۔
وہ دونوں بالکنی میں جا کے ۔
دیکھنے لگے ۔
ایک قطرہ برف کے فانوس پر
لٹک رہا ہے

وہ بولی ـــــ ”چار بج گئے “

چاندنی میں خاموشی ۔
چیری کے پیڑ کی نازکی ۔
ہلکی اور اکیلی ۔ بلور کے منجمد فانوس سے باہر ۔
پرچھائیوں کی ایک دنیا ۔
چاندنی اور برف کے لمس سے معمور ۔
”میں کافی بناتی ہوں تمہارے لئے “
اس نے کہا اور دبے پاؤں تاریکی میں چلی گئی ۔
پھر ” لوپی جاؤ اسے اور شکریئے کے لئے کچھ نہ کہو “
پھر بالکونی سے باہر دیکھنے لگے ۔
بلور کے فانوس پر اب وہ قطرہ نہ تھا ۔
اب یادکی پرچھائیاں
وہ قطرہ ، وہ نرمی ، وہ چیری کا پیڑ
دل دھیرے دھیرے دھڑکتے ہوئے
بلور کے ٹکڑوں کی طرح
الگ ہو گئے ۔

(فرتادو)

آخری جھنک سے گٹار بند ہو گیا ۔ نغمہ ختم ہو گیا ۔ ہدے گٹار پر سر رکھ کر رونے لگی ۔ اتنے میں ایک نرس اندر آئی ۔ بستر کے قریب آکر بولی ۔ ”آپ کے دفتر سے ٹیلی فون آیا ہے ۔ شام کے چار بجے آپ کو بلایا ہے ۔ کہا ہے کہ ڈری نمبر کی فائیل ساتھ لیتے آئیے ۔

میں چونک گیا۔ "ڈی نمبر کی فائیل"۔ ہیمنت سنگھ کا کوڈ ورڈ تھا مطلب یہ تھا کہ کل مجھے کسی سفر پہ جانا پڑے گا۔

"ذرا دم بھی نہیں لینے دیا کمبخت نے"۔ میں نے دانت پیس کر کہا۔ "کل ہی ہسپتال سے چھٹی ملے گی۔ کل ہی سے کام پر"۔

پھر خود ہی سوچ کر میں نے کہا۔ "مگر ٹھیک بھی تو ہے۔ چھ مہینے میں بہت آرام کر لیا"۔

میں نے نرس سے کہا ـــــ "آج رات منے یہیں سوئے گی۔ ایک پلنگ کا انتظام کر دو"۔

"یہاں کیوں سوئے گی؟" نرس نے برا سا منھ بنا کر کہا۔ کیونکہ وہ مجھ پر مہربان تھی۔

میں نے کہا۔ "اس لئے کہ وہ میری بیوی ہے"۔

"تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا؟" نرس کی آواز میں ایک آنسو کہیں سے آکر گھلنے لگا۔

"پہلے ضرورت نہیں سمجھی"۔ میں نے کٹھے لہجے میں کہا۔

منے چونکی۔ جب نرس باہر چلی گئی تو بولی ـــــ "ہانگ کانگ میں بھی یہی ہوا تھا۔ یہاں بھی یہی۔ کیا ہم دونوں کی قسمت میں ایک رات کے لئے میاں بیوی ہونا لکھا ہے۔

"یہ ایک رات بھی کیسے ملتی ہے"۔

میں کمرے میں ٹہلنے لگا۔ یہ معلوم کرنے کے لئے کہ کیا میں ٹھیک سے چل سکتا ہوں۔

"ہاں ٹھیک سے چل سکتا ہوں"۔ میں نے اپنے آپ سے کہا۔

"اور اب ——؟"

"اب یہ دیکھنا ہے کہ میرے بازوؤں میں طاقت ہے کہ نہیں۔"

میں نے منٹے کو اپنے بازوؤں میں اٹھا لیا۔

"کیا کرتے ہو —— کیا کرتے ہو ——؟"

"دیکھ رہا ہوں میرے بازو مضبوط ہیں کہ نہیں۔"

دروازہ زور سے کھلا اور دو وارڈر ایک فولڈنگ پلنگ لے کر اندر آ گئے۔ اُن کے پیچھے پیچھے غصے میں پھنکارتی ہوئی وہی نرس کھڑی تھی جو مجھ پر مہربان تھی۔ اس نے کرسی سے گٹار اٹھا لیا اور لی ——

"ہسپتال میں موسیقی منع ہے۔"

۲

گاڑی رتلام سے آگے نکل چکی تھی۔ بہت آگے۔ ایئرکنڈیشنڈ رج کے کمروں میں مسافر آرام سے سو رہے تھے۔ کوریڈور کی نیم اریکی میں خنک سناٹا تھا۔ کوریڈور کے آخری سرے پر ایک لال تی روشن تھی اور اس کے نیچے ایک اسٹول پر رات کا بیرہ اونگھ رہا تھا۔

ایکاایک کوریڈور کے دوسرے سرے کے ٹائیلٹ سے ایک

جوان عورت اپنا گلابی گون سنبھالتی ہوئی نکلی اور دروازہ کھینچ کر کوریڈور کے اندر آگئی - اور کمرہ نمبر چار سی کے دروازے پر دستک دینے لگی -

جب اندر سے کوئی جواب نہ ملا تو زور زور سے دستک دینے لگی - وہ کچھ پریشان اور گھبرائی ہوئی سی دکھائی دیتی تھی - اونگھتا ہوا بیرا جاگ گیا - اور کوریڈور کا پٹ کھول کر اندر آگیا - مودبانہ لہجے میں پوچھنے لگا -

"کیا بات ہے میڈم ؟"

"کوئی دروازہ نہیں کھولتا"

"اندر دوسرا پسنجر کون ہے ؟"

"اندر میرا شوہر ہے"

بیرے اور گلابی گون والی جوان عورت کی باتیں سن کر ایئر کنڈیشنڈ کوچ کا ہیڈ بیرہ بھی آگیا - اور کنڈکٹر بھی جو کوچ سے ملحق کمرے میں آرام کر رہا تھا - اندر آگیا -

جوان عورت نے اب زور زور سے دروازہ پیٹنا شروع کیا -

دروازہ کھٹکھٹانے میں کنڈکٹر اور ہیڈ بیرے نے بھی شمولیت اختیار کی - تھوڑی دیر میں ادھر اُدھر قریب کے کمروں کے مسافر بھی جاگ گئے - پٹ کھول کر جھانکنے لگے - کمرہ نمبر تین بی سے ایک ادھیڑ عمر کی عورت بالوں کو گھنگھریالے بنانے کے کرلر لگائے ہوئے جھانکنے لگی - اس کے سارے چہرے پر کریم پتی ہوئی تھی - اور اُس کا

کسی پرانی مصری ممی کی طرح حنوط شدہ معلوم ہوتا تھا۔ کمرہ نمبر پانچ کی
ے ایک لمبا تڑنگا ہٹلر کی سی مونچھیں رکھنے والا انگریز آدمی رات
وقت اس کی نیند خراب کرنے والوں کے خلاف منہ ہی منہ میں
بڑبڑانے لگا۔

”پرانا زمانہ ہوتا تو بڑھ کر دو ہاتھ جڑ دیتا اور ٹھوکریں مارتا۔
س کی حکومت ختم ہو چکی تھی، اس لئے صرف مضطرب، مجبور،
بے چین، بے بس اور بیزار دکھائی دے رہا تھا۔

کہیں دماغ کے اندرونی پردوں میں شور کو چیرتی ہوئی کسی دروازہ
کھٹکھٹانے کی آواز مجھ تک پہنچی۔ میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا اور
تنے لوگوں کو اپنے دروازے کے باہر کھڑا دیکھ کر حیرت زدہ
گیا۔

”کیا ہے؟“

”آپ کی بیوی کب سے کھڑی دروازہ پیٹ رہی ہے؟“ کنڈکٹر
گلابی گون والی جوان عورت کی طرف اشارہ کیا۔

”میری بیوی؟“ بے اختیار میرے منہ سے نکلا۔

”ڈارلنگ! کیا تم میرے ٹائلٹ جاتے ہی اتنی گہری نیند
گئے۔“

”ڈارلنگ“ میں نے حیرت زدہ ہو کر اس عورت کی طرف دیکھا
ت عورت۔ خوبصورت عورت۔ ڈھیلا ڈھالا گاؤن پہنے ہوئے تھی۔
جسم کے حسین نقطے اور حسین خم سے وہ گون ٹکرا رہا تھا اس سے اندر کے
م کی دلکشی کا اندازہ ہوتا تھا۔

میں نے کہا۔ "یہ میری بیوی نہیں ہے۔ میں اسے نہیں جانتا۔"
جوان عورت کے سینے کا زیر و بم تیز ہونے لگا۔ اس کی آنکھو
میں آنسو آنے لگے۔ وہ روہانسی ہو کر بولی۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ اجے ——"

سب لوگ مجھے کڑی نظروں سے دیکھنے لگے۔ جیسے میں کو
مجرم ہوں۔ کنڈکٹر نے جیب سے پسنجر لسٹ نکال کر کہا۔ "یہ کو
مسٹر اجے کمار اور مسز اجے کمار کے لئے بک ہے۔ کیا آپ کی
بیوی اندر ہے؟"

کرلر پہنے ہوئے ادھیڑ عمر کی عورت اب اپنے کمرے سے باہر آگئی
تھی۔ وہ کولہوں پر ہاتھ رکھ کر اس جوان عورت کے قریب کھڑی ہو گئی
جو اب سسکیاں لے لے کر رو رہی تھی۔

"نہیں تو ——" میں نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ "میں دراصل
اکیلا سفر کرنا چاہتا ہوں۔ نہیں چاہتا کہ کوئی دوسرا پسنجر میرے کوپے میں آ
اس لئے میں نے دونوں برتھ بک کرالی تھیں۔" میں نے کنڈکٹر سے کہا، مگر
میں سمجھ رہا تھا کہ کسی کو مجھ پر اعتبار نہیں آئے گا۔

کرلر والی عورت نے اپنا لال رومال نکال کر روتی ہوئی جوان عورت
کو دیا اور پھر کولہوں پر ہاتھ رکھ کر میری طرف غصہ بھری نگاہوں سے
دیکھ کر بولی۔

"شرم نہیں آتی، آدھی رات کے وقت اپنی بیوی کو کمرے
سے باہر رکھنا چاہتے ہو۔ تم دونوں میں اگر کوئی جھگڑا بھی ہے تو
یہ موقع نہیں ہے۔ اندر جاؤ جی تم۔"

ادھیڑ عمر کی عورت نے جوان عورت کو میرے کوپے میں دھکیلتے ہوئے

"مگر ـــــ" میں نے احتجاج کیا۔
"سردی کے دن ہیں۔ بے چاری ٹھنڈ کھا جائے گی۔" کنڈکٹر

جوان عورت اپنی بڑی بڑی ڈبڈبائی آنکھیں پونچھتے ہوئے اور
راتے ہوئے بولی۔
"انہیں کچھ مت کہو ـــــ یہ ذرا ـ" اتنا کہہ کر اس نے ایک
ں سے اپنا ماتھا کھٹکھٹایا۔ مطلب یہ تھا کہ میرے دماغ کا کوئی پیچ
ھیلا ہے۔
میں نے جلدی سے دروازہ بند کیا اور جوان عورت کی طرف دیکھ کر بولا
"یہ کیا مذاق ہے؟ میں آپ کو جانتا تک نہیں اور آپ نے
پنے آپ کو سب کے سامنے میری بیوی بنا کر مجھے یوں شرمندہ کر دیا۔"
جوان عورت نے اندر سے چٹخنی لگا دی۔
"رات تمہارے برتھ پر سو جاؤں گی!"
"آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔"
وہ آکر میری برتھ پر بیٹھ گئی اور بیٹھے بیٹھے اپنے پاؤں کے سلیپر
ہلانے لگی۔ پھر ایک جھرجھری سی لے کر بولی ـــــ "بڑی سردی ہے۔
اپنے کمبل میں تھوڑی سی جگہ دے دو۔"
میں نے سختی سے کہا۔ "اگر آپ کو میرے ہی کوپے میں سونا ہے
اوپر کے برتھ پر جا کر سو جائیے۔"

وہ بولی ـــــ "ایک لیڈی کو اوپر کا برتھ آفر کرتے ہوئے شرم نہیں آتی ـ"

"شرم تو آپ کو آنی چاہیئے ـ ایک اجنبی مرد کو اپنا خاوند بنا رہی ہو ـ جس نے آج سے پہلے آپ کو کبھی نہیں دیکھا ـ خیر ...... میں اوپر کے برتھ پر چلا جاتا ہوں ـ"

" اُس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا ـ" بولی ـ" مجھے ڈر لگتا ہے ـ"

"کس بات کا ڈر ـــــ ؟"

" اپنے کمبل میں ذراسی جگہ دے دو ـ میں ابھی سب کچھ بتاتی ہوں ـ ہر بات بتا دوں گی ـ مگر اس سردی میں مت ٹھٹھرا مجھے ـ"

وہ میرے کمبل میں آگئی ـ اپنے کٹے ہوئے بالوں کو جو اس کے چہرے پر آرہے تھے، گردن جھٹک کر پیچھے کھا دیا ـ اس کی گردن لانبی اور صراحی دار تھی ـ اور گاؤن کے بٹن سینے کی شفاف وادیوں پر کھلے ہوئے تھے ـ

" بتائیے ـــ" میں نے سختی سے کہا ـ

وہ بولی ـــــ " اگر میں تمہارے کمرے میں نہ آتی تو اس وقت مر چکی ہوتی ـ"

" کیسے ـــ ؟"

" میرا شوہر مجھے مار ڈالتا ـ"

" تمہارا شوہر کس کوپے میں ہے ؟"

" وہ دوسری ایرکنڈیشنڈ کیبن میں ہے ـ نائٹ ایلفنڈیس میں

ا کر رہا ہے۔ میں اس کا ارادہ بھانپ چکی تھی۔ کسی نہ کسی طرح
فلیٹ کا بہانہ کر کے ادھر وہ کیبن چھوڑ کر اس کوچ میں آگئی۔"
"تم نے میرا ہی دروازہ کیوں کھٹکھٹایا ـــــ؟"
"کیونکہ تم اکیلے تھے۔ اور جب گاڑی بمبئی سے چلی اس وقت
ں اکیلے تھے۔"
"ساتھ والے کوپے کا انگریز بھی اکیلا ہے۔"
"مجھے بدلتی لوگ پسند نہیں ہیں۔"
"مجھے یہ ساری کہانی گڑھی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔"
"بھگوان کی قسم کھا کر کہتی ہوں۔ یہ بالکل سچ ہے۔ آج رات
ں نے اپنے شوہر کی آنکھوں میں قتل کا مصمم ارادہ دیکھ لیا تھا۔
مجھے قتل کر کے ٹائلیٹ میں ڈال دیتا اور صبح شور مچاتا۔"
"وہ تمہیں قتل کیوں کرنا چاہتا تھا۔"
"لمبی کہانی ہے۔"
"سناؤ۔ رات کٹ جائے گی۔"
"مجھے نیند آرہی ہے۔" اس نے ہلکی سی جمہائی لی۔ اور
ی ادا سے اپنے ہونٹ وا کیے۔ اس کے لب بے حد رسیلے
معلوم ہوتے تھے۔ اس کے پاؤں کے تلوے دھیرے دھیرے میرے
ں کو کھجانے لگے۔ عجیب سی سنسنی میرے بدن میں دوڑ نے
۔
"تمہارے شوہر کا نام کیا ہے؟"
"بہت سوال پوچھتے ہو۔ اشونی کمار بنرجی۔ میں مسز بنرجی ہوں۔"

نائین الیف دوسری کوچ میں جاکر اپنا شک دور کر لو ــــــ مگر
بھگوان کے لیئے مجھے آج رات اس کمرے سے باہر مت نکالو۔
میری جان خطرے میں ہے"

میں نے اس سے پوچھا ــ "کیا تمہیں اس کا ڈر نہیں کہ یہاں
تمہاری عزت خطرے میں ہے"

وہ ہنسی۔ ہنسی کا ایک نقرئی فوارہ۔ جیسے ایک ساتھ بہت
سی بلبلیں نغمہ سرا ہو اٹھی ہوں۔ کہنے لگی ــــ "جان سے زیادہ
کوئی شے عزیز نہیں ہوتی"

"پرانے زمانے کی کتابوں میں تو کچھ اور ہی لکھا ہے"

"میں ایک ماڈرن لڑکی ہوں ــ"

"تمہارا پہلا نام کیا ہے؟"

"شانتا۔ شانتا بنرجی" اس نے دہرایا۔

"مگر تم بنگالن تو معلوم نہیں ہوتیں"

"نہیں ــ میں نیپالی ہوں"

"ممکن ہے تمہارا شوہر ڈھونڈتا ہوا یہاں تک آ پہنچے"

"اوّل تو وہ آئے گا ہی نہیں"

"کیوں نہیں آئے گا؟"

"اس لیئے کہ اس کا ضمیر گناہ گار ہے"

"اور دوئم؟"

"دوئم یہ بات کہ اگر اس نے مجھے ڈھونڈنے کی کوشش بھی کی
تو اپنی کوچ میں ڈھونڈ لے گا۔ یہاں تک کبھی نہ آئے گا"

"اور یہ فرض محال یہاں تک آ بھی گیا"
"تو تم مجھے بچا لو گے ۔ بچا لو گے نا ۔۔؟"
"اس کی انگلیوں کی پوریں میرے سینے کے بالوں کو چھونے لگیں۔
ے بدن میں لہریں سی اٹھنے لگیں ۔ میں اپنے آپ پر قابو پانے کی
شش کرنے لگا۔

وہ غنودگی آمیز لہجے میں بولی ۔ "مجھے نیند آ رہی ہے"
چند لمحوں کے بعد اس کی سانس دھیرے دھیرے مگر لمبے لمبے
انسوں میں چلنے لگی ۔ اس کا سینہ کھلا ہوا تھا اور چہرہ میرے کندھے
تھا اور آنکھیں بند تھیں اور رخساروں پر لانبی لانبی پلکوں کی
اتیں کانپ رہی تھیں اور اس کے رسیلے ہونٹ ذرا سے کھلے تھے ۔
وش مارتے ہوئے لہو کی ایک گرم لہر میرے تن بدن میں آگ لگاتی
ہوئی چلی گئی ۔ میں نے ایک جھٹکے سے اسے اپنے سینے سے لپٹا لیا۔
"ڈارلنگ ۔۔۔۔۔ ڈارلنگ ۔" اس کی مدھم آواز کا بیم احتجاج
مجھے اور بھی اکسا رہا تھا ۔ میں نے اسے اپنی باہوں میں کس لیا اور
پنے ہونٹ اس کے رسیلے ہونٹوں پر رکھ دیئے۔

تاریک رات میں ریل چلی جا رہی تھی ۔ چھک ۔ چھک ۔ چھک
چھک ۔

یہ تو میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ گلابی گون کے اندر اس کا جسم بڑا
دلکش تھا ۔ وادیاں ۔ گھاٹیاں ۔ ~~شہد کی~~ خرام گردش ۔

۳
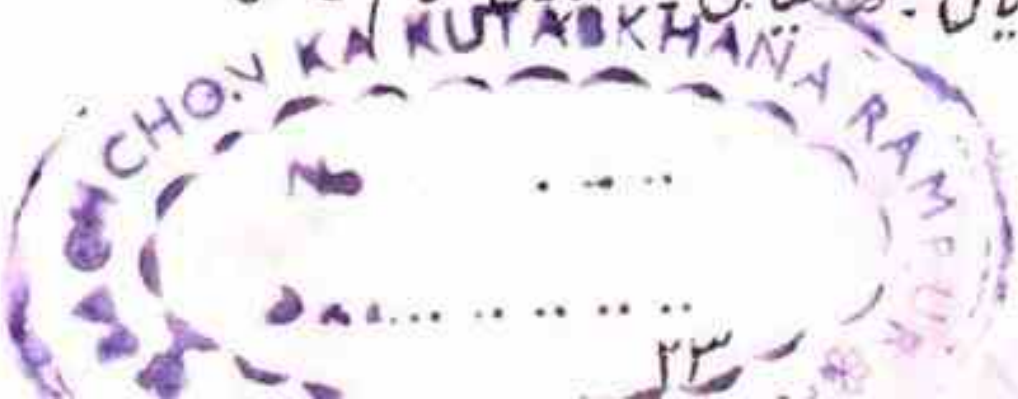
صبح جب اٹھا تو بیرہ چائے لے کر دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا۔ میں جلدی سے بستر سے اٹھا تو معلوم ہوا کہ بستر خالی ہے۔

"کہاں گئی؟"

سوچنے لگا۔ مگر زیادہ سوچنے کا موقع نہ تھا۔ بیرہ چائے لئے دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا۔ کہیں کل رات والا منظر دوسری حیثیت سے نہ دہرایا جائے۔ میں نے جلدی سے دروازہ کھولا۔ کسی قدر ہچکچاتے ہوئے۔

وہ دروازے پہ نہ تھی۔ صرف بیرہ تھا۔ ذرا کی چائے لے کر آیا تھا۔ اندر آتے ہوئے اس نے خالی بستر پر نگاہ ڈالی۔ پھر اوپر والی برتھ پہ دیکھا۔ پھر میری طرف مشکوک نگاہوں سے دیکھ کر بولا۔

"میم صاحب کہاں گئیں؟"

"ٹائیلٹ میں" میں نے اس سے کہا اور جلدی سے چائے رکھوا کر دروازہ بند کر لیا۔ اور اپنا سامان دیکھنے لگا۔

میرا سامان کھولا گیا تھا۔ دونوں سوٹ کیسوں کی اچھی طرح تلاشی لی گئی تھی۔ برتھ کے اوپر رکھا ہوا چھوٹا بکسا غائب تھا۔ کوپے کے وارڈ روب میں ٹنگے ہوئے میرے سوٹ کی بھی تلاشی لی گئی

تھی، مگر سب روپے پیسے، چیک ٹک ہر شے اپنی جگہ موجود تھی۔
اوورکوٹ کے اندر کی جیب میں ایک کارڈ موجود تھا۔ یہ کارڈ میرا نہ
تھا۔ میں اسے لے کر کبھی نہ آیا تھا۔ اس کارڈ پر صرف اتنا لکھا تھا۔

بہت بہت شکریہ

شانتا

میں غور کرنے لگا۔ کہاں گئی۔ کس وقت گئی۔ کچھ سمجھ میں نہ آیا۔
اتنی دیر تک ایسی گہری نیند میں کیسے سوتا رہا۔ میری نیند اتنی گہری تو
کبھی نہیں ہوئی۔ وہ کب میرے بستر سے اٹھی کہ مجھے اس کی کروٹ
تک نہ محسوس ہوئی۔ میں سوچنے لگا۔ سوچنے لگا۔ کل رات کے
شانتا نے میں غنودگی کے گہرے بہاؤ کو چیرتی ہوئی کس وقت انجکشن
کی سوئی کی ایک نوک مجھ تک پہنچی تھی۔ مگر پیشتر اس کے کہ میں جاگ
اٹھوں میں گہری نیند سو گیا، لیکن اب میرا دماغ بے حد بیدار تھا۔ میں
نے جلدی سے آستینیں چڑھا کر اپنی دونوں بانہیں دیکھیں۔

بائیں بازو پر کندھے کے نیچے سوئی کا ایک سرخ نشان تھا۔
ننھا سا۔ اب تو سمجھا نے لگا تھا۔ میں نے اُسے سونگھا۔ کچھ دیر میں نہ ہوا۔
اپنی آنکھوں کے سوئے ڈوبے دیکھے۔ سمجھ گیا۔ کارٹائیل۔ کل رات مجھے
کارٹائیل کا انجکشن دیا گیا تھا۔ جو چند لمحوں میں سُلا دیتا ہے۔
کارٹائیل سے چار گھنٹے تک آدمی بالکل بے ہوش رہتا ہے۔ میرے
ناخنوں کا اندرونی رنگ کہہ رہا تھا کہ مجھے اس عورت نے رات کی
گہری غنودگی میں ہم بستری کے بعد کسی وقت کارٹائیل کا انجکشن دیا
تھا اور میرے سارے سامان کی تلاشی لی تھی۔

اور اب وہ چھوٹا بکس غائب تھا۔ جسے میں اس قدر احتیاط سے بمبئی سے لایا تھا اور جسے مجھے مکمل حفاظت سے نینی تال تک پہنچا دینا تھا۔

وہ بکسا میری حماقت سے پہلے ہی ہلّے میں غائب ہو گیا۔

"مسٹر اجے کمار تم بڑے احمق ہو۔" میں نے اپنے آپ سے کہا۔ "عورتیں ہمیشہ سے تمہاری کمزوری رہی ہیں۔ دشمن تک کو تمہاری کمزوری کا علم ہے۔ کیا تم جانتے نہیں ہو کہ تمہارے بستر پہ لیٹی ہوئی عورت چلتی پھرتی عورت سے سو گنا زیادہ خطرناک ہوتی ہے۔"

سب سامان اچھی طرح سے دیکھ کر میں نے اس برتھ کو الٹ دیا۔ جس پر میں رات کو سویا تھا۔ میں نے برتھ کے نیچے ایک ڈبہ رکھا تھا۔ وہ ڈبہ اپنی جگہ موجود تھا۔ ڈبہ کھول کر نگاہ ڈالی تو آنکھیں ہیرے کی جگمگاہٹ سے خیرہ ہو گئیں۔ بہت بڑی ہیرے کی آنکھ۔

چاروں طرف سپید شفاف ہیروں کی بڑی بادامی شکل کی آنکھ۔ بیچ میں نیلم کی بیش بہا پتلی۔

میں نے ہیرے کی اس بڑی آنکھ کو اپنی ہتھیلی پر رکھ کر مختلف زاویوں سے گھمایا۔ ہیروں کے رنگ آتشیں سیال کی طرح منعکس ہونے لگے۔ جب میری تسلی ہو گئی تو میں نے ہیرے کی نیلمی آنکھ کو اپنے کوٹ کی جیب میں رکھ لیا۔ سوٹ پہن کر باہر نکلا۔ بڑے سلیقے اور احتیاط سے دونوں کوچوں کی تلاشی لی۔ کہ ہے جھانک کر دیکھے۔ چاروں ٹائیلٹوں کا معائنہ کیا۔ مگر بے سود۔ وہ عورت وہاں نہ تھی۔

کوئٹہ اسٹیشن کے پولیس کے کمرے سے ہیڈکوارٹر ملایا۔ سب حال بتا دیا۔ اُدھر سے ہیمنت سنگھ کے ہنسنے کی آواز آئی۔

"تم پہلے ہی پلٹے میں چوک گئے اچھے"

میں نے کہا ــــ "تم نے ہمیں بالکل نہیں بتایا تھا کہ وہ ایک عورت ہو گی۔ تم نے کسی انگریز کا نام لیا تھا اور وہ انگریز اب بھی میرے ساتھ والے کمرے میں سفر کر رہا ہے"

"اور نیلم کی آنکھ ــــ؟" ہیمنت سنگھ نے پوچھا۔

"میری جیب میں ہے۔۔ اس کی ڈبیہ میں نے سونے والے برتھ کے نیچے کی پرت میں رکھ دی تھی اور میں سو گیا تھا ــــ"

مگر جب تم کارنائیل کے انجکشن سے بے ہوش ہو گئے تو تمہاری کروٹ بدل کر تمہاری برتھ کے نیچے کی تلاشی لے سکتی تھی"

"مگر وہ چوک گئی"

"چوک نہیں گئی۔ ہماری احتیاط کام میں آ گئی۔ اگر تمہارے چھوٹے بکسے میں ہم نقلی آنکھ نہ رکھتے تو وہ ضرور تمہاری برتھ کی بھی تلاشی لیتی۔ اور اصلی ہیرے کی آنکھ لے جاتی۔ جس کی مالیت سترہ لاکھ ہے"

"اور نقلی آنکھ کتنے کی ہو گی ــــ؟"

"جے پور سے بنوائی تھی۔ سترہ ہزار اس پر بھی لگے تھے۔ بالکل اصلی آنکھ کے مشابہ ہے۔ مگر آگے چل کر گینگ والوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ غلطی سے نقلی آنکھ اٹھا کر لے گئے ہیں۔ تو پھر وہ تمہارا پیچھا کریں گے۔ اب کے ہوشیار رہنا۔ میں چاہتا تھا کہ نینی تال تک تم سے کوئی غلطی سرزد

نہ ہو اور اگر ہو تو تینی تال میں ہو۔

"کیوں ــــ ؟"

"گینگ کا مرکز تینی تال میں ہے۔ وہاں اگر وہ لوگ تم سے نقلی آنکھ چرا لیجانے تو تمہیں اس گینگ کی نشاندہی کرنے میں خاصی مدد ملتی۔ چلتی گاڑی میں سے کیا مل سکتی ہے۔"

"مگر سر ــــ آپ نے مجھے نہیں بتایا تھا کہ اس طرح ایک خوبصورت عورت ــــ آپ نے تو ایک انگریز......" میں پھر صفائی پیش کرنے لگا۔ "آپ تو جانتے ہی ہیں میری عادت ــــ"

"ایک دن اسی عادت کی بنا پر مارے جاؤ گے۔" اُدھر سے ہیمنت سنگھ پھر ہنسنے لگا۔

اس کی طنزیہ ہنسی میں زیادہ دیر تک برداشت نہیں کرسکا۔ آخر میں نے پوچھا۔

"اب میرے لئے کیا حکم ہے؟"

"زیادہ پریشان ہونے کی بات نہیں ہے۔ اصلی ہیرے کی آنکھ ہمارے پاس موجود ہے۔ یعنی تمہارے پاس موجود ہے۔ اس لئے جونہی ان لوگوں کو اپنی غلطی محسوس ہوگی وہ پھر تم پر حملہ کریں گے۔"

"اس لئے ــــ" میں نے پوچھا۔

"اس لئے اس انگریز پہ نگاہ رکھو۔ بلکہ کوشش کرو کہ وہ تم پر نگاہ رکھے۔ بظاہر اپنے آپ کو بالکل احمق ثابت کرو ــــ"

"ایک بار تو کرچکا ہوں۔"

"میرا مطلب اس قسم کی حماقت سے نہیں ہے۔" ہیمنت سنگھ

نے کڑے لہجے میں کہا ۔۔۔ " بلکہ اس طرز عمل سے ہے جس سے دشمن کو یقین ہو جائے کہ تم کسی پر شبہ نہیں کرتے ہو اور خاص طور سے اس انگریز پر بالکل شبہ نہیں کرتے ہو ۔ جو تمہارے ساتھ کے کمرے میں سفر کر رہا ہے ۔"

" اور شانتا بنرجی ۔ یا جو کوئی بھی وہ عورت ہے ۔"

" اس کا خیال چھوڑ دو ۔"

" اور اگر کوئی مجھے مارنے کی کوشش کرے ۔۔۔۔۔ ؟"

" تو اپنے آپ کو بچاؤ ۔ مگر خبردار کسی کی جان مت لو ۔ ہم ساری لیگ کو گرفتار کرنا چاہتے ہیں ۔ جن کا مرکز نینی تال میں ہے ۔ تمہاری گاڑی میں نہیں ہے ۔ اس گاڑی میں دو سے زیادہ ان کے ایجنٹ نہیں ہو سکتے ۔ خبردار ضرور رہو ۔ اپنی جان کی بھی حفاظت کرو ۔ مگر کسی پر حملہ مت کرو ۔ ورنہ دشمن خبردار ہو جائے گا ۔ او کے ۔"

" او کے ۔"

" دہلی سے رپورٹ کرو ۔"

" او کے ۔"

میں نے ٹیلیفون رکھ دیا ۔

باہر نکلا تو دیکھا کہ ریل گاڑی کے ایک فرسٹ کلاس ڈبے کے آگے بڑی بھیڑ ہے اور بہت سے پولیس کے لوگ بھی جمع ہیں ۔ میں گھبراتا ہوا ادھر گیا اور بھیڑ کو چیر کر اندر پہنچا تو فرسٹ کلاس کے ٹائیلٹ سے پولیس والے ایک لاش کو نکال رہے تھے ۔

ایک خوبصورت عورت کی لاش تھی ۔ جس نے چنار کے ہر ے

پتوں کے چھاپ والی ساڑی پہن رکھی تھی ۔ اس کے بال کھلے ہوئے تھے اور ماتھے پر پستول کی گولی کا چھوٹا سا نشان تھا اور خون کا ایک چھوٹا سا چکتہ ۔ اسے کسی باریک نال والی پستول سے گولی ماری گئی تھی ۔ آج کل یہ چھوٹی پستولیاں بہت مقبول ہو رہی ہیں ۔ ایک تو ان سے آواز بہت کم پیدا ہوتی ہے ۔ دوسرے جیب میں جگہ بہت کم گھیرتی ہیں ۔

جب وہ لاش کو ٹائیلٹ سے باہر نکال کے پلیٹ فارم پر لائے تو میں نے اچھی طرح سے پہچانا اور دل ہی دل میں افسوس ظاہر کیا ۔

"بے چاری ستا ناہنرجی !"

پھر وہ ٹائیلٹ سے خالی بکسا اٹھا کر لائے ۔

بکسا بالکل خالی تھا ۔ اس کے اندر نقلی ہیروں کی آنکھ غائب تھی ۔ بے چاری ستانا ۔ ہیرے کی نقلی آنکھ کے لئے ماری گئی ۔ گینگ نے اُسے اپنے کام کے لئے استعمال کیا تھا اور جب وہ اس کے ذریعہ اپنی دانست میں ہیرے کی اصلی آنکھ چرا کر لے گئے تو انہوں نے اُسے استعمال کر کے مار ڈالا ۔ جرم کے ثبوت جتنے کم رہیں اتنا ہی اچھا رہتا ہے ۔ پھر عورتیں کبھی نہ کبھی ٹیک دیتی ہیں ۔ انہیں ختم کر دینا ہی ٹھیک رہتا ہے ۔

وہ انگریز جس کے کوپے پر رابرٹ ہیل لکھا ہوا تھا ۔ ایک گہری سنجیدہ نظر ستانا ہنرجی پر ڈال کر چلا گیا ۔ چند لمحوں تک وہ میرے قریب کھڑا رہا اور میں دل ہی دل میں اس سے چوکنا کھڑا رہا ۔ قد میں وہ مجھ سے کوئی دو انچ اونچا نکلتا ہوگا ۔ چھ فٹ کے قریب اس کا قد ہوگا ۔ جسم مجھ سے دُبلا ۔ مگر بعض ایسے جسم فولادی سی لچک کا احساس دلاتے ہیں ۔

رابرٹ ہیل کا جسم بھی کچھ اسی طرح کی بناوٹ کا معلوم ہوتا تھا۔ آگے آگے
چل کر ٹھیک سے معلوم ہو جائے گا ـــــ میں نے سوچا۔
کٹنہ پر گاڑی دو گھنٹے لیٹ رہی۔ یہاں میرا بیان قلمبند کیا گیا۔
یوں کہ میں نے شاتنا برجی کو شناخت کیا تھا۔ میں نہ کرتا تو دوسرے
لوگ کر دیتے۔ وہ انگریز کر دیتا۔ بیرے کر دیتے۔ کرلر پہننے والی عورت
کر دیتی۔ چال بھی یہی چلی گئی تھی کہ اصلی آنکھ حاصل کر کے مجھے اس جرم میں
پھنسا دیا جائے۔ مگر پولیس اسٹیشن پر ہیڈ کوارٹر سے اطلاعات آچکی
تھیں۔ میرا بیان قلمبند کر کے میری ضمانت لے کر جو خود پولیس والوں
نے پرائیویٹ ڈھنگ سے مہیا کی تھی۔ مجھے گاڑی میں سفر کرنے کی
اجازت دے دی گئی۔
"بکسے میں کیا تھا ـــــ؟" جب پولیس افسر نے مجھ سے یہ سوال
کیا تو اس وقت بھی وہ انگریز میرے سامنے کھڑا تھا۔
میں نے کہا ـــــ "اس میں میری بیوی کی جیولری تھی جو میں
احتیاط سے نینی تال لے جا رہا تھا۔"
"کون سی بیوی۔ رات والی ـــــ؟" پولیس انسپکٹر نے
سوال کیا۔
سب لوگ ہنس پڑے۔
"جی نہیں۔ میری اصلی بیوی۔ یہ بیوی تو چوری کے ارادے
سے اندر آئی تھی اور چوری کر کے غائب ہو گئی۔ مگر اسے وہ جیولری
پہننا نصیب نہ ہوئی۔ بیچ میں کوئی دو چار لے اڑا۔ لے جا رہی جان
سے بھی گئی۔"

"وہ دوسرا کون ہو سکتا ہے؟" انسپکٹر نے پوچھا — "کیا تمہیں کسی پر شبہ ہے؟"

میں نے بھیڑ میں چاروں طرف نگاہ ڈالی۔ ایک لمحے کے لئے میری نگاہ انگریز پر بھی ٹھہری۔

پھر میں نے کہا — "میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ ممکن ہے وہ آدمی اس بھیڑ میں کھڑا ہو۔ گاڑی میں سفر کر رہا ہو۔ پچھلے کسی اسٹیشن پر اتر گیا ہو۔ چلتی ٹرین سے کود گیا ہو —"

انگریز کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ سی آئی۔ پھر وہ بھیڑ میں غائب ہو گیا —

۴

رابرٹ ہل نئی دلی کے اسٹیشن پر اتر گیا۔ میں پرانی دلی کے اسٹیشن پر اترا۔ اس سے پہلے راستے میں متھرا اسٹیشن پر اتر کر میں نے دوسری ایرکنڈیشنڈ کوچ میں گھس کر اتنا تو معلوم کر لیا تھا کہ سنتا نتانے آدھا سچ ضرور بولا تھا۔ مسٹر اور مسز اشونی کمار بنرجی کا کارڈ نائن ایف کے باہر لگا تھا۔ میں اشونی کمار بنرجی کی صورت دیکھنے کے لئے بیقرار تھا۔ مگر متھرا اسٹیشن پر وہ اترے نہیں۔ نئی دلی کی اسٹیشن پر بھی دکھائی نہیں دیئے۔

تجسس بڑھ گیا۔

پرانی دلی کے اسٹیشن پر جب میرا سامان باہر نکلا تو میں نے دیکھا کہ دوسری
سے ادھیڑ عمر کا ایک بنگالی دُہرے بیٹ اور ڈھیلی پتلون والا آنکھوں
چشمہ چڑھائے نیچے اتر رہا ہے۔ اس کے ساتھ بہت سامان تھا۔ تھوڑی
کے بعد ادھیڑ عمر کی ایک بنگالن ماتھے پر سیندور کا ایک بڑا سا ٹیکہ
پاؤں میں آلتا لگائے اتری اور آکر اپنے شوہر کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔
ں میاں بیوی اس قدر گھریلو۔ جرم و گناہ کی دنیا سے اس قدر دور دکھائی
تے تھے کہ میں بے اختیار اپنے شک و شبہات پر مسکرا اٹھا۔ انھیں لینے
لئے ان کے رشتہ داروں کی ایک پلٹن جمع تھی اور وہ سب لوگ باری باری
ی دادا اور مسز بنرجی کے پاؤں چھو رہے تھے۔

تیکھے خطوط۔ زیتونی رنگت اور کمر سے نیچے تک آنے والے کھلے
ں والی دراز قد بید مجنوں کی شاخ کی طرح ڈولنے والی ایک حسینہ بھی اس بھیڑ
موجود تھی۔ اور جب پاؤں چھونے کے لئے جھکی اور اٹھی تو میرے
میں اس کے بدن کی ہزار عشوہ طرازیاں اور آرائیاں جلوہ گر ہو گئیں۔
ت کے بارے میں میں ہمیشہ اپنی نگاہ کی پرکھ کا قائل رہا ہوں۔ اس
ت اس بنگالی حسینہ کو دیکھ کر میرا دل اس کے بدن کے ہر خم کے ساتھ
نے لگا۔ دل کی اگر یہ حالت نہ ہوتی۔ یعنی یوں دگرگوں نہ ہوتی تو آج
اپنی قابلیت کے بل بوتے پر انسپکٹر جنرل پولیس ہوتا۔ کسی بھی انسان کی
یا تنزلی کے سلسلے میں صرف اس کی قسمت ہی کو نہیں، اس کی کوتاہیوں
دخل ہوتا ہے۔ مجھے اپنی کوتاہیوں کا شدید احساس ہے۔ مگر کیا کروں
ے زندگی کے عشوہ طراز بتوں کی دلداری میں گزرے ہیں انسپکٹر جنرل کی

میز سے حسین تر دکھائی دیئے ہیں۔

مگر اسٹیشن پر ٹھہرنے کے لئے زیادہ وقت میسر نہ تھا اور زیادہ اہم کا
درپیش تھا۔ اس لئے قلی کے سر پر سامان لدوا کر اسٹیشن سے باہر آگیا
اور ٹیکسی پکڑ کر سیدھا میٹرو ہوٹل میں آگیا۔ جہاں پہلے سے میرا کمرہ بک
تھا۔ مجھے آج بھی نئی دلی کے علاقے سے پرانی دلی کے سول لائنز کا
زیادہ پسند ہے۔ اور نئے عالی شان ہوٹلوں کے بجائے پرانی دلی کا میٹ
ہوٹل میرا محبوب ہوٹل ہے۔ وسیع برامدے، پرانے کلاسک ستون
کھلے ہوادار کمرے اور اونچی منقش چھتیں اور فرنیچر موجودہ عہد سے
ذرا پرانا۔ کسی قدر روکھوریں رنگ لئے ہوئے۔ اس ہوٹل کے کمرے میں
آتے ہی کسی پنکیسے میں گھسنے کا احساس نہیں ہوتا۔ کسی پرانے رئیس کے
آرام دہ گھر میں خوش آمدید کئے جانے کا احساس ہوتا ہے۔

بیج بوائے میرا سامان سات نمبر کے کمرے میں رکھ گئے۔ جہاں
ہوٹل کی عقبی سومنگ پول کا نظارہ اچھا دکھائی دیتا ہے۔ سومنگ پو
سے پرے گلاب کی کیاریاں تھیں اور ان سے ملے ہوئے املی۔ املتا
اور نیم کے گھنے پیڑوں کے جھومروں کے سائے۔ لان کی ہری گھاس
دھوپ چھاؤں کی لرزتی شطرنجیاں بناتے۔ نظر کو سکون، دل کو آرا
اور نگاہ کو شاداب رکھنے والا ہوٹل ہے۔

جب بیج بوائے چلے گئے تو میں نے کمرے کا جائزہ لیا۔ کمرہ اند
سے بند کر لیا اور غالیچے پر لوٹ لگا کے ڈبل بیڈ کے نیچے چلا گیا کہ خف
مائیکروفون کے لئے یہ جگہ بہترین سمجھی جاتی ہے۔ پھر ٹیبل لیمپ کا او
سے نیچے سے غور سے معائنہ کیا۔ ٹیبل لیمپ بھی ٹھیک ... تھا۔ پھر جب

پڑی ہوئی تھیں۔ ان کے پیچھے کے حصے کو غور سے دیکھا کہ یہ جگہیں بھی خفیہ دروازوں کے لئے عمدہ ثابت ہوتی ہیں، مگر یہ تصویریں بھی اور ان کے پیچھے چھپے ہوئے دیواروں کے گوشے بھی کسی خفیہ آلے سے عاری تھے۔
ان کے معائنے سے فارغ ہو کر میں وارڈروب کے سامنے جا کھڑا ہوا۔
آئینے میں اپنی صورت دیکھی۔ ٹائی کی گرہ کو ٹھیک کیا۔
ایکاایک وارڈروب کا پٹ دھیرے دھیرے آپ ہی آپ کھلنے لگا۔ میں چھلانگ لگا کر ایک طرف ہو گیا۔
چرخ چوں کی آواز کے ساتھ وارڈروب کا پٹ دھیرے دھیرے کھلتا جا رہا تھا۔ میں نے جیب سے پستول نکال کر اپنے ہاتھ میں لے لیا۔
اب میری نظریں وارڈروب پر گڑی ہوئی تھیں۔
وارڈروب کا دروازہ کھلتا گیا۔ کھلتا گیا۔ پھر پورا کھل کر جھولنے لگا۔ چند طویل لمحے اس اندیشے میں گزر گئے کہ وارڈروب کے اندر کوئی ہے؟ اور اب باہر کیا نکلے گا۔ مگر جب دروازہ جھول کر ساکت ہو گیا تو میں نے آگے بڑھ کر وارڈروب کے اندر جھانکا۔
وارڈروب کے اندر کچھ نہ تھا۔ کپڑے ٹانگنے کے چند ہینگر اور پرانے اخبار بچھے ہوئے اور کچھ نہیں۔ معلوم ہوا وارڈروب کا پٹ ڈھیلا ہے اور کچھ نہیں بس ــــــ
میں نے وارڈروب دھیرے دھیرے بند کیا۔ وہ بند ہو گیا۔ پھر آپ ہی آپ کھلنے لگا۔ میں مسکرا اٹھا۔
"کمبخت آپ ہی آپ کھل جاتا ہے۔" پیچھے سے آواز آئی۔ میں چونکتا ہو کر پلٹا تو انتھونی کمار منرجی میرے عقب میں باتھ روم سے نکل رہے

تھے۔ ان کے ہاتھ میں پستول تھا۔

دوسرے ہاتھ سے انہوں نے مجھے صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ مگر میرے ہاتھ میں جو پستول تھا اس کا انہوں نے کوئی نوٹس نہیں لیا۔

میں صوفے پر بیٹھ گیا۔ کیونکہ اشونی کمار نے عقب سے ہی مجھے نشانہ بنا لیا تھا۔ ان کی انگلی لبلبی پر تھی۔

پھر وہ ہنسا۔ اس نے پستول جیب میں ڈالتے ہوئے کہا۔ "تم مجھے شریف اور اچھے آدمی معلوم ہوتے ہو۔ تم سے بزنس کی جا سکتی ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"پستول جیب میں رکھ لو۔" اشونی کمار نے اپنا پستول جیب میں رکھ کر کہا۔ "پستول ہاتھ میں لے کر بزنس نہیں ہو سکتا۔ ڈاکہ ضرور ڈالا جا سکتا ہے اور ابھی اس کا وقت نہیں آیا ہے۔۔۔۔۔"

میں نے کہا۔۔۔۔ "ابھی تک میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔ آپ چاہتے کیا ہیں؟"

"وہی ہیرے کی آنکھ جو تمہارے پاس کہیں موجود ہے۔"

"جو آنکھ میرے پاس موجود تھی وہ تمہارے ایجنٹ نے چرا لی۔"

"وہ نقلی تھی۔"

"تمہارے ایجنٹ نے مجھے بے ہوش کر کے میرے سارے سامان کی تلاشی لے لی تھی۔"

"وہ تو ٹھیک ہے، مگر تلاشی لینے کے بعد بھی وہ آنکھ برآمد نہیں ہوئی۔ ستر لاکھ کی مالیت کی آنکھ کے لئے ہم لوگ تم سے بزنس کے لئے تیار ہیں۔"

"مثال کے طور پر ـــ؟"

"مثال کے طور پر تم ابھی تک ایک انسپکٹر ہو۔ محض ایک انسپکٹر۔ اور انسپکٹر کی کیا تنخواہ ہوتی ہے۔ میں جانتا ہوں۔ اس لئے فرض کر لو کہ اگر اس ہیرے کی آنکھ کے بدلے ایک لاکھ روپیہ دے دیا جائے ـــ"

"مگر میرے پاس وہ آنکھ ہے ہی نہیں۔"

"دو لاکھ۔" اسٹیلی کمار بولا۔

"شانتا بنرجی بڑی خوبصورت لڑکی تھی۔" میں نے اس سے کہا ـــ تمہاری کیا ہوتی تھی؟"

"کچھ نہیں۔"

"شاید اسی لئے تم نے اسے راستے سے ہٹا دیا۔ نقلی آنکھ کا غصہ اتار دیا۔"

"میں نے اُسے قتل نہیں کیا۔"

"پھر کس نے کیا؟"

اشوتی کمار جواب میں مسکرا دیا۔ چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔ "یہ جاننا کام ہے۔ میں تو ایک بزنس مین ہوں۔ محض بزنس کی بات تم کرنے آیا ہوں۔ وہ لوگ ڈھائی لاکھ تک تمہیں دے دیں گے ـــ ری ساری زندگی آرام سے کٹے گی۔"

میں نے کہا۔ "اگر زندگی آرام سے کاٹنی ہوتی تو یہ کام اور اس طرح م ہاتھ میں کیوں لیتا؟"

"تم نوجوان ہو ـــ" اس نے کہا ـــ "ابھی روپے کی قدر و قیمت آگاہ نہیں ہو ـــ ادھیڑ عمر میں محسوس کرو گے۔ تب تک بہت دیر ہو

چُکی ہو گی ۔ تین لاکھ ؟"

"نہیں ۔" میں نے انکار میں سر ہلا دیا۔

"کیوں ؟" وہ حیرت زدہ ہو کر بولا۔

"اس لئے کہ ہیرے کی آنکھ میرے پاس نہیں ہے ۔ اگر ہوتی تو شاید میں اُسے تین لاکھ کے عیوض دے دیتا ۔۔۔"

اشونی کمار کہنے لگا ۔۔۔ "آخری آفر چار لاکھ کی ہے ۔"

"کیا خریدار تم ہو ؟"

"میں تو محض ایک بزنس مین ہوں ۔ اگر تم مان جاتے تو ایک معقول کمیشن مجھے بھی مل جاتا ۔۔۔"

"شانتا بنرجی کون تھی ۔۔۔ ؟"

"میں نہیں جانتا ۔"

"کیا اس نے تمہارے کہنے سے وہ ناٹک کیا تھا ۔ اس کی زندگی کا آخری ناٹک ؟"

"کس ناٹک کی تم بات کر رہے ہو ؟" وہ حیرت زدہ ہو کر پوچھنے لگا ۔ اس کی آواز میں مجھے سچائی کی گونج محسوس ہوئی ۔ کئی سوالات میرے ذہن میں چکر کاٹنے لگے ۔ اشونی کمار اگر خود خریدار ہوتا ، مگر جو ایسا لگتا نہیں ہے ۔ یہ درست ہے کہ پستول اس کے ہاتھ میں تھا اور وہ خود اس سے پہلے اس کمرے میں موجود تھا مگر وہ خود کسی گینگ کا سرغنہ معلوم نہ ہوتا تھا ۔ اس کی شکل و صورت چال ڈھال انداز کہے دیتے تھے کہ وہ آسان زندگی بسر کرنے کا عادی ہے ۔ ظاہر ہے وہ کسی کا بھیجا ہوا ہے ۔ مگر کس کا ۔۔۔ ؟

میں نے اس سے کہا ۔۔۔ "اگر وہ ہیرے کی نیلمی آنکھ میرے پاس

تو میں تم سے بات کر سکتا تھا۔ مگر حقیقت تو یہ ہے کہ وہ میرے پاس
ہے۔ ورنہ میں ۵ لاکھ میں سودا کر لیتا۔
"تو کسی کے پاس ہے ۔۔۔؟" اشونی کمار کچھ پریشان دکھائی دینے

"کاش کہ مجھے کچھ معلوم ہوتا۔ لیکن اگر مجھے کچھ معلوم ہو جائے تو
تم سے کب اور کہاں مل سکتا ہوں ۔۔۔؟"
اشونی کمار بولا ۔۔۔ "جتنے دن تم اس ہوٹل میں رہو گے میں
رہوں گا۔"
"اس کے بعد ۔۔۔؟"
اشونی کمار نے ایک کارڈ مجھے دیا ۔۔۔ "میں مالک رام پارک کے
بازار میں "اینٹیک" بیچتا ہوں۔ میرا اصل دھندہ وہی ہے۔"
"مگر یہ بھی تو وہی دھندا ہے۔"
"نہیں میں ایسے خطرناک کاموں میں زیادہ نہیں اُلجھتا۔ بیوی
بچوں والا آدمی ہوں۔ مگر آج کل تم جانتے ہو ہر کسی کو روپیہ زیادہ
چاہیئے۔ اور زیادہ چاہیئے۔ اور جب وہ حاصل ہو جائے تو اس
سے زیادہ چاہیئے ۔۔۔" وہ ہنسنے لگا۔ اس کی ہنسی میں کوئی بناوٹ
نہیں۔
"اگر تم میری بات مان جاتے تو مجھے ان لوگوں سے معقول کمیشن
مل جاتا۔ ستّر لاکھ کا سودا بُرا نہیں ہوتا۔ اس لیئے میں نے اسے ہاتھ لگایا
تھا ۔۔۔"
"ایک لڑکی کا اس سودے میں خون ہو چکا ہے۔"

اشونی کمار نے افسوس سے سر ہلا کر کہا ۔۔۔ "یہ درست ہے، مگر یہ بھی درست ہے کہ ہر بڑے سونے میں خون کے چھینٹے اُڑتے ہیں۔ یہ قیمت ہے جو تمہیں تمہیں ادا کرنی پڑتی ہے ۔ ورنہ سلطنتیں کیسے قائم ہوں ۔ زمینداریاں کیسے چلیں ۔ صنعتی جاگیرداریاں کیسے آگے بڑھیں اور میں اپن ٹیک ۔ کا دھندا کیوں اختیار کرتا ۔۔۔۔ ؟"

میں نے صوفے سے اٹھ کر کہا ۔۔۔ "مسٹر بنرجی ۔ جرم کی زندگی میں بے حد احتیاط کی ضرورت ہے ۔ میں تمہیں خبردار کرتا ہوں ۔۔۔"

اشونی کمار نے صوفے سے اٹھ کر کہا ۔ "تم کوشش کر کے دیکھ لو ۔ میں تمہارے ہاتھ نہیں لگوں گا ۔ کیوں کہ میں ایک ایمان دار آدمی ہوں میں جرائم پیشہ دنیا کے اس کنارے پر رہتا ہوں جہاں یہ مجرم اور گناہ گاروں کی دنیا کی حدیں ایمان دار زندگی کی حدوں سے ملتی ہیں اور جہاں نہایت دیانت داری سے آپس میں لین دین ہوتا ہے ۔ میں نے جو تمہیں آفر دیا ۔ وہ نہایت معقول اور ایمانداری اور دیانتداری کا آفر تھا ۔۔۔ آؤ اسے منظور کر لو ۔۔۔۔ ورنہ ہر قیمت پر وہ لوگ تم سے ہیرے کی وہ آنکھ اُڑا لینے میں کامیاب ہو جائیں گے اور تمہارے پلّے ایک دھیلا بھی نہیں پڑے گا ۔ اس لئے ۔ ۔ ۔ ۔"

"ہم پھر ملیں گے ۔۔۔" میں نے اشونی کمار سے کہا اور اسے دروازے تک چھوڑنے گیا ۔۔۔

دروازے سے بیرہ میری چائے لے کر آ رہا تھا ۔

"تو کیا ایک کپ چائے بھی آفر نہیں کرو گے ؟" اشونی کمار نے مجھ سے پوچھا ۔

"کیوں نہیں ـــــ ضرور ضرور ـــــ" میں نے جواب دیا ـ
ور بیرے سے مخاطب ہو کر بولا ـــــ" بیرہ ـ صاحب کے لئے ایک
یائے کا کپ بناؤ ـــــ"
بیرے نے نہایت مؤدب انداز سے چائے کی ٹرے تپائی
پر رکھی ـ چائے بنانے لگا ـ چائے بنا کر اشونی کمار کو جب دینے لگا
میں نے دیکھا کہ اشونی کمار کا ہاتھ جونہی چائے کا کپ لینے کے لئے آگے
بڑھا ـ بیرے نے چائے کا کپ ہوا میں اچھال دیا ـ
ایکا ایک سارا کمرہ دھوئیں سے بھر گیا ـ
دوسرے لمحے میرے قریب چاقو کا ایک پھل لہرایا ـ

اس وقت اگر میرے دماغ نے برق رفتاری سے کام نہ لیا ہوتا ـ
تو اسی وقت میں مردہ ہوتا ـ پہلے چند لمحوں میں میں سمجھ گیا کہ جائے
کے کپ میں چائے کے بجائے دھواں پیدا کرنے کا سیال تھا ـ اور کہ
یہ دھواں زہریلا اور بے ہوش کرنے والا ہے اور یہ چاقو کا پھل میرے
سینے میں اترنے کو ہے ـ میں نے غالیچے پر گر کر لوٹ لگائی اور سیدھا
رخ غسل خانے کا کیا ـ انداز سے ہے ـ
دھواں چاروں طرف پھیل گیا تھا ـ میرے پھیپھڑوں میں شدت
کی کھانسی اٹھ رہی تھی ـ مگر کسی طرح سے میں نے اپنی کھانسی کو جبراً روک
دیا ـ ورنہ دشمن کو معلوم ہو جاتا میری آواز سے کہ میں کہاں پر ہوں ـ
غالیچے پر لوٹ لگاتے ہوئے چاقو کے پھل سے کترا کر میں باتھ روم کی
دہلیز پر پہنچ گیا ـ ایکا ایک میرے ہاتھ کسی کے قدموں سے ٹکرائے اور

میں نے زور لگا کر اپنی ٹانگوں کی پوری قوت سے انھیں اپنے سے دور دھکیلا اور حملہ غیر متوقع تھا، اس لئے مجھے کسی کے وارڈ روب پر گرنے اور چیخنے کی آواز سنائی دی۔ پھر سناٹا چھا گیا ــــــ

میں نے جلدی سے باتھ روم میں گھس کر دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ اور روشن دان کھول دیا۔

چند لمحوں کے بعد باتھ روم میں سے دھواں کم ہونے لگا اور میرے پھیپھڑے صاف ہونے لگے۔ پھر بھی جو کھانسی میں اب تک روکے ہوئے تھا اُس نے مجھ پر قابو پا لیا اور میں زور سے کھانسنے لگا ــــ

دوسرے لمحے میں کسی نے باتھ روم پر دستک دی۔ پھر دروازہ پیٹنے اور توڑنے کی کوشش ہونے لگی۔

باتھ روم کا دروازہ اس قدر مضبوط بھی نہ تھا کسی بھی طاقتور مرد کے چند ہلوں سے ٹوٹ سکتا تھا۔ میں نے پستول جیب سے نکال لی اور اندر کان ٹیلیفون کا چونگا اٹھا کر اسٹیشن پر فون کیا۔

"ہیلو ــــ ہیلو اسٹیشن ــــ"

"یس سر ــــ"

"کچھ مشتبہ لوگ زبردستی میرے کمرے میں گھس آئے ہیں۔ روم نمبر ــــ ویسٹ ونگ، میں باتھ روم میں ہوں۔ وہ لوگ باتھ روم کا دروازہ توڑنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ سیکورٹی فوراً بھیجئے۔ اور ــــ"

ٹیلیفون کٹ گیا ــــ مگر خوش قسمتی سے میرا پیغام اسٹیشن کو مل چکا تھا۔

دروازے کو بڑے زور سے دھکے لگ رہے تھے۔ میں نے
[illegible]ٹنٹ کفری اسپیشل جو میرے سینے کی دائیں طرف ایک چرمی
[illegible]یب میں آویزاں تھا۔ نکالا اور اُسے باتھ روم کے دروازے پر
[illegible]غ دیا۔ اور دانت پیس کر بولا ——
"اگر کسی نے اندر آنے کی کوشش کی تو ......"

پھر دوسرا وار کیا۔
باہر کمرے میں بکڑ دھکڑ شروع ہو گئی۔ مختلف آوازیں آ رہی
تھیں۔ غالباً سیکورٹی فورس اندر آ چکی تھی۔
میں نے ایک رومال پانی سے بھگو کر اپنے نتھنوں اور منھ پر رکھا۔
[illegible]ور جب کسی نے باتھ روم پر مؤدبانہ کھٹ کھٹ کے بعد کہا —"سر—"
تو میں نے احتیاط سے دروازہ کھول دیا اور ایک طرف کو پستول
[illegible]ے کر کھڑا ہو گیا ——
ایک لمبا تڑنگا سکھ خاکی وردی پہنے اور پستول لئے باتھ روم
کے دروازے سے لگ کر بولا —"جناب۔ باہر آ جائیے۔ اب
[illegible]ئی خطرہ نہیں ہے —"
میں پھر بھی احتیاطاً پستول ہاتھ میں لئے اپنی حفاظت کے لئے ہر
وقت تیار باتھ روم سے باہر نکلا۔
کمرے سے دھواں چھٹ چکا تھا۔ روشن دان۔ کھڑکیاں۔
دروازے سب کھولے جا رہے تھے۔ زہریلے دھوئیں کا بہت کم
اثر باقی تھا۔ مگر میرا سر پھر بھی چکرا رہا تھا۔
فرش پر اشونی کمار بنرجی بے ہوش تھا۔

"یہ آپ کی بانہہ سے خون بہہ رہا ہے صاحب ــــ" سیکورٹی نے مجھ سے کہا۔

اس کے کہتے ہی میری نظر بائیں بازو پر گئی۔ چاقو کا ایک ہلکا سا وار اس پر پڑا تھا۔ غالباً اس وقت جب میں نے دونوں گھٹنے سکوڑ کر زور سے دھویں میں غلطاں چاقو باز دشمن کو لات ماری تھی۔ ایک ذرا سی غلطی اور چاقو میرے سینے میں ہوتا ــــ

"گھاؤ بہت معمولی ہے ــــ" میں نے سیکورٹی سے کہا۔

"پھر بھی فوراً پٹی کرا لیجئے۔ ممکن ہے زخم زہریلا ہو ــــ"

"وہ تو ہو جائے گا سب کچھ۔ مگر اس بزنس مین اشوانی کمار بنرجی کو گرفتار کرنا بے حد ضروری ہے ــــ"

"یہ تو بے ہوش ہے بھاگ کر کہاں جائے گا ــــ؟"

"اور اس کا مددگار چاقو مار کہاں ہے؟"

"پکڑا گیا ہے صاحب ــــ وہی بیرے کا بھیس بدل کر چائے لے کر کمرے میں داخل ہوا تھا۔"

اور چائے کی پیالی میں ڈفلڈری فور کا سیال گھلا ہوا تھا۔ جسے اس نے ہوا میں اچھال دیا۔ اسی وقت کمرے میں زہریلا دھواں پھیلنے لگا۔ میں نے اس گیس کو سونگھتے ہی محسوس کر لیا تھا۔ مگر میں نے ہوٹل کی سیکورٹی سے اس بارے میں کچھ کہنا مناسب نہ سمجھا۔ معلوم کرنے والے خود معلوم کر لیں گے۔

"اور بیرہ ــــ؟"

"جی ــــ؟"

"میرا مطلب ہے اصل بیرہ کہاں ہے۔ یا کہ یہ آدمی ہوٹل کے
[بی]روں میں نیا نیا آیا تھا ___؟"
"جی نہیں صاحب" سیکورٹی نے کہا۔ "اصل بیرہ پینٹری
[م]یں بندھا ہوا پایا گیا۔ اور چاقومار کو ہم پولیس کے حوالے کر دیں گے۔
[ت]ھانے کو ٹیلی فون ہو چکا ہے"
"چاقومار ہے کون؟" کچھ جانتے ہو۔ ذرا میں اس کی شکل
[د]یکھوں"
"دیکھ کر کیا کیجئے گا صاحب۔ کوئی نیا آدمی نہیں ہے۔ اس
[ش]ہر کا مشہور چاقومار ہے۔ اس کا اصلی نام دھمال ہے۔ میں اُسے
[ج]انتا ہوں۔ لیکن جرائم پیشہ دنیا میں وہ "گولکنڈہ" کے نام سے مشہور
ہے ___"
"مشہور آدمی ہے" میں نے سوچا ___ "تو پھر اس سے کچھ
حاصل کرنا پولیس کے لئے بھی مشکل ہو گا۔ قیاس غالب ہے کہ دشمن
نے جو کوئی بھی وہ ہے اور غالباً وہ اسٹونی کمار بنرجی ہی ہے۔ اُسے
مجھے زخمی کرنے یا جان سے مار ڈالنے یا مجھے بے بس کر کے میرے
[ک]مرے اور ریکارڈوں کی تلاشی کے لئے استعمال کیا ہو گا۔ محض ایک غنڈے
[ک]ی حیثیت سے۔ اس سے زیادہ خود اس غنڈے کو کوئی اطلاع نہ ہو گی۔
پولیس کی تفتیش تضیع اوقات ثابت ہو گی۔ اس کا اب مجھے یقین
ہو چلا تھا۔
سیکورٹی مجھے باہر برآمدے میں لے گیا جہاں ایک صوفے
پر بٹھا کر میری تپی کی گئی۔ منیجر نے آکر خود مجھ سے معافی مانگی اور حالے

کو دبا دینے کی خواہش ظاہر کی۔ ورنہ اس سے ہوٹل کے نام اور وقار کو دھکا پہنچ سکتا ہے... میں نے ہر ممکن طریق سے تعاون کرنے کا وعدہ دے دیا۔

رات کے کھانے کے بعد میں نے کمرے کو اندر سے ٹھیک سے قفل کیا اور بمبئی سے تار ملایا۔ ہیمنت سنگھ کی آواز کڑوی اور طنزیہ سنائی دینے لگی۔

انگریزی کا ایک لفظ ہے ناٹی (Naughty) ہیمنت سنگھ کے لہجے میں یہ ناٹی پن بہت ہوتا ہے، جسے سُن کر میرا خون کھولنے لگتا ہے۔ مگر کچھ کر نہیں سکتا۔ کیوں کہ وہ اپنا باس ہے۔

"چوٹ تو معمولی ہے۔" اُس نے سارا قصہ سن کر مجھ سے کہا۔

"ہاں بالکل معمولی ہے۔"

"اور اشونی کمار بنرجی کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔؟"

"وہ بدمعاش بزنس میں رہا تو دشمنوں سے ملا ہوا ہے یا خود اُس گینگ کا سرغنہ ہے۔"

"پھر وہ بے ہوش کیوں پایا گیا۔؟"

میں نے کہا — "ممکن ہے اس ہیرے کی آنکھ کو چرانے کیلئے دو گینگ کام کر رہے ہوں۔ اور اشونی کمار ایک گینگ سے تعلق رکھتا ہو اور چیا تو مار دوسری گینگ سے —"

"اگر یوں بھی ہو تو یہ بتاؤ کہ چیا تو مار نے اشونی کمار کو ختم کیوں نہیں

دیا۔ تم نے تو باتھ روم میں پناہ حاصل کر لی تھی، مگر اشونی کمار کو بچانے والا کون تھا ـــــ"

"میرا ٹیلیفون ـــــ جو میں نے اسٹیشن کو کر دیا تھا ـــــ"

"غلط ـــــ" ہیمنت سنگھ طنزیہ ہنسی ہنس کر بولا ـــــ اس کا لہجہ ایسا ناٹی تھا کہ میرا جی اس کی آواز میں چاقو کا پھل چبھونے کے لئے آمادہ ہو گیا۔ مگر مصیبت یہ ہے کہ ابھی تک کوئی ایسا چاقو ایجاد نہیں ہوا جو آواز کو قتل کر سکے۔"

"تم سمجھے نہیں۔ اشونی کمار کسی گینگ سے تعلق نہیں رکھتا۔ وہ ہمارا آدمی ہے۔"

"ہمارا آدمی ـــــ" میں چیخا۔

"ہاں اُسے تمہارا امتحان لینے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ یہ پرپوزل ستر لاکھ روپے کا ہے۔ کسی کے دل میں بھی بے ایمانی آ سکتی ہے۔ اُسے تمہاری ایمانداری کا امتحان لینے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ مجھے افسوس ہے تم اس امتحان میں پورے اترے۔"

میں اُسے گالی دینے لگا۔ اس کو نہیں۔ کسی کو بھی نہیں ـــــ مگر میرے اندر سے جیسے گالیوں کی فصل پھوٹ پڑی تھی۔ میں بے تحاشہ گالیاں دیتا چلا گیا۔ ہیمنت سنگھ ہنستا چلا گیا۔ جب میری گالیوں کا سلسلہ ذرا کم ہوا تو وہ بولا ـــــ

"ہمارا کام ہی ایسا ہے۔ وقتاً فوقتاً اپنے ایجنٹوں کو بھی امتحان میں ڈالنا پڑتا ہے۔ اس کام میں ڈبل کراسنگ بہت ہوتی ہے۔"

"اب کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ میں کسی وقت ڈبل کراس کر جاؤں ۔"

"مجھے تم سے اُمید نہیں ہے ۔ لیکن اگر کبھی اس کا خطرہ درپیش ہوا تو اس کا انتظام بھی کر لیا جائے گا ۔۔۔"

میں دانت بھینچ کر بولا ۔" جو بھی ہو آپ اس کا انتظام ضرور کیجئے کہ انتھونی کمار اب میرے نزدیک نہ بھٹکنے پائے ، ورنہ ۔۔۔" میں پھنکارتے ہوئے چپ ہو گیا ۔

انتھونی کمار کا کام ختم ہو چکا ۔ وہ دو دن اسپتال میں آرام کرے گا پھر اسے کوئی دوسرا کام سونپ دیا جائے گا ۔ خاطر جمع رکھو ۔۔۔"

" تو اس کا مطلب تو یہ ہوا ۔۔۔" میں نے معاملے کی نوعیت پر دوسرے زاویئے سے غور کرتے ہوئے کہا ۔" کہ وہ جیا تو ہماری دشمن کی گینگ کا بھیجا ہوا تھا ۔ انتھونی کمار نہیں ۔ اور چونکہ اس نے انتھونی کمار کو چھوا تک نہیں اور جیا تو کا پھل صرف مجھے لگا ۔ اس سے ظاہر ہے کہ دشمن بمبئی ہی سے میری تاک میں ہے یعنی اُسے معلوم ہے کہ ......"

"بس بس تم ٹھیک سمجھے ہو ۔۔۔"

" مگر سر ۔ اس کا مطلب تو یہ بھی ہوتا ہے کہ ضرور ہم سے کوئی غلطی ایسی سرزد ہوئی ہے کہ دشمن کو ہمارے پلان کا بمبئی سے ہی پتہ لگ چکا ہے ۔"

"میں اس کی چھان بین کر رہا ہوں ۔ ہو سکتا ہے ہمارا کوئی ایجنٹ ۔۔۔" ہیمنت سنگھ چپ ہو گیا ۔ پھر ایک لمبے وقفے کے بعد بولا ۔ ۔۔۔ "میرے خیال میں تمہارا اب دہلی میں رہنا زیادہ دن تک ٹھیک نہیں ہے ۔ جتنی جلدی ہو سکے نینی تال پہنچ جاؤ ۔"

ہیمنت سنگھ نے گفتگو کا سلسلہ بند کر دیا ۔

میں آرام سے بتی بجھا کر مقفل کمرے میں سو گیا۔ آج اچھی نیند
ئی۔ کیونکہ آج میرے کمرے کے باہر ہوٹل کی سیکورٹی کے لوگ
رے رہے ہیں۔

نینی جھیل میں لمبے اور اونچے بادبانوں والی کشتیاں راج ہنسوں کی
ڈول رہی تھیں۔ سیلنگ زوروں پر تھی۔ یارسٹ کلب کے کارڈ
میں ممبر تاش کھیل رہے تھے۔ کچھ لوگ بار میں بیر پی رہے تھے۔
میں لیڈیز روم میں شام کا میک اپ کر رہی تھیں اور لباس
ب جو بے حد مشکل کام ہوتا ہے۔ میں نے ادھر ادھر
ڈالی۔ لاونج میں اکتائی ہوئی خاموشی تھی۔ میں اپنا بیر کا گلاس اٹھا
ہر برآمدے میں آ گیا۔ جہاں برآمدے کو سہارا دینے والے
کے مضبوط ستون نصف سے زیادہ جھیل کے پانی میں ڈوبے
ئے تھے۔ گلاس اپنے سامنے میز پر رکھ کر میں جھیل میں بادبانی
یوں کی سیلنگ دیکھنے لگا۔ مزے کی ریس ہوتی ہے۔ بادبانی
یاں یوں کترا کر ایک دوسرے کے قریب سے نکل جاتی ہیں جیسے
ظر ار حسینہ بدن چرا کر قریب سے گزر جائے۔ ہوا میں دلبودار
تی بھینی خوشبو تھی۔ اور بیر کا ذائقہ کسی شوخ کے طنزیہ جملے کی طرح

ہلکا سا تلخ۔ میں نے بیر کا ایک لمبا گھونٹ لیا۔ گلاس کو میز پر رکھنے
سے پہلے اسے آنکھوں کے سامنے لایا۔ سہ پہر کے آفتاب کی شفاف
کرنیں بغیر پگھلے سیناؤں کی طرح بیر کے سیال میں نہانے لگیں۔
نینی جھیل کا رنگ نیلا ہے۔ نیلم کی آنکھ پہاڑ کے ماتھے...
پر جڑی ہوئی۔ نیلم کی ایک آنکھ میرے کوٹ کی جیب میں موجود...
ہے۔ مگر حملہ آور کا پتہ نہیں۔ دو دن سے نینی تال میں کٹی پتنگ کی
ڈول رہا ہوں، مگر دشمن کا پتہ نہیں۔ کہیں ان لوگوں نے نقلی آنکھ ہی کو تو
اصلی آنکھ نہیں سمجھ لیا۔ ایسا ہوا تو ان کا پتہ لگانا اور بھی مشکل ہو جائے
شاید دشمن بہت چالاک ہے۔ اس کے دونوں وار خالی گئے۔ اس
لئے تیسرا حملہ نہایت سوچ سمجھ کر کرے گا۔ جب تک کیا کیا جائے
بیر پی جائے آرام سے اور کیا ___؟

آتے ہی ہیمنت سنگھ کو خبر کر دی تھی۔ نینی تال میں خیریت سے پہنچنے
کی اطلاع کر دی تھی۔ اس نے مجھے بتایا تھا کہ وہ بہت جلد اپنے کسی
مخبر یا ایجنٹ کے ذریعہ مجھے ضروری حالات سے مطلع کر دے گا۔
مگر آج تیسرے روز کی شام ہونے کو آئی ہے کسی مخبر کا کچھ پتہ نہیں

میں نے بادبانی کشتیوں کی ریس دیکھنے کے لئے بیر کا گلاس
نیچے رکھ دیا اور میز پر سے دوربین اٹھائی اور دیکھنے لگا کہ اب ریس
کس مرحلے پر ہے۔ اتنے میں داہنی طرف سے قریب کی ایک میز
سے ایک بانکا نوجوان اٹھا۔ اس نے بہت ہی بڑھیا اون کا زعفرانی
سویٹر پہن رکھا تھا اور کھلے کالروں والی گلابی سلک کی قمیض۔ گہری
بھوری پتلون اور کیمرج بروگ کے جوتے۔ سیدھی عمدہ مردانی چال۔

پانچ فٹ دس انچ یا گیارہ انچ کے قریب۔ ہاتھ میں ہیرے کی
...
بظاہر وہ ریس دیکھ رہا تھا۔ اپنی میز سے اٹھ کر جب میری میز پر آیا تو بڑے
ادب سے کہنے لگا ۔۔۔ "کیا میں چند منٹ آپ کی میز پر بیٹھ سکتا ہوں؟"
میں نے اُس خوش پوش خوبصورت نوجوان کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔
وہ کہنے لگا ۔۔۔ "میری میز سے ریس اچھی طرح دکھائی نہیں دیتی۔
میں غلطی سے دوربین بھی گھر بھول آیا۔"
میں نے دوربین اپنی آنکھوں سے ہٹا کر اُسے دے دی۔
وہ شکریہ ادا کر کے میری میز پر بیٹھ گیا۔ جام اس نے اپنے سامنے
رکھا۔ پھر جھیل کی طرف مُڑ کر مجھ سے باتیں کرتے ہوئے وہ دوربین کا
زاویہ ٹھیک کرتے ہوئے بولا۔
"میں کنور امر راج سنگھ ہوں۔ ٹیڑھی گڑھوال کا رہنے والا۔"
میں چُپ رہا۔
وہ دوربین بادبانی کشتیوں کی طرف گھماتے ہوئے بولا ۔۔۔ "آج
بڑا آلودہ ہے۔"
یکا یک میں چونک گیا۔
یہ ہمارے مخبر کے کوڈ کے الفاظ تھے۔ جو ٹیلیفون پر ہیمنت سنگھ نے
بتائے تھے۔ اب جواب دینے کی باری تھی۔
میں نے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا ۔۔۔ "آسمان تو صاف ہے۔"
وہ بدستور دوربین کے اندر دیکھتا رہا۔ بولا ۔۔۔ "آسمان کا رنگ
تبدیل نہیں ہوگا ۔۔۔"

کاروبار کرتے ہیں اور اپنے سامنے آنے والی ہر رکاوٹ کو ہوشیاری سے ہٹا دیتے ہیں ــ انھیں پکڑنا آسان کام نہیں ہے ــ"

"کوئی اتہ پتہ معلوم ہوا ــ؟"

"دھندلے دھندلے سے سراغ ملے ہیں ۔ اگر واضح اور روشن ملتے تو تمہاری ضرورت کیا تھی ــــ"

"اب ہمارا اگلا قدم کیا ہو ــ ؟"

"نقلی آنکھ اگر مل جائے تو ٹوٹا ہوا سلسلہ پھر سے جڑ سکتا ہے"

"وہ کیسے ــ؟"

"ہم لوگوں کا ارادہ تھا کہ نیلی دیوی کی دوسری آنکھ ــ"

"وہ کس نے چرائی تھی ــــ؟"

"وہ چرائی نہیں گئی ۔ یہ وہی آنکھ ہے جو تمہاری جیب میں محفوظ ہے ۔ اسکیم یہ تھی کہ اس نقلی آنکھ کو دیوی کے ماتھے پر باقاعدہ اعلان کر کے دھوم دھڑکے سے پہاڑی لوگوں کا ایک جلسہ کر کے اُسے جڑ دیا جائے ۔ یہ آنکھ اصلی آنکھ سے اس قدر مشابہ ہے ۔ اس قدر مشابہ ہے "

"میں جانتا ہوں ــ"

"کہ چور اُسے اصلی آنکھ سمجھ کر چرانے کی کوشش کریں گے ۔ اس اثنا میں شب و روز ہمارا پہرہ مندر پر رہے گا ۔ پجاریوں کی حیثیت سے اور ہم ان لوگوں کو عین چوری کرتے ہوئے پکڑ سکیں گے "

"تجویز تو اچھی ہے "

"مگر تم سے وہ نقلی آنکھ جو غائب ہو گئی "

"تو اب کیا کیا جائے ـــــ؟"

پیشتر اس کے کہ وہ کوئی جواب دیتا ۔ ایکا ایک مجھے ایک دھچکا محسوس ہوا ۔ میں نے اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کی، مگر ناکام میز الٹ گئی ۔ صرف میز ہی نہیں الٹی تھی ۔ برآمدے کے پانی میں گڑے ہوئے چوبی ستون چرچرا کے ٹوٹ گئے تھے ۔ اور سارا چوبی برآمدہ اڑاڑا دھم کر کے پانی میں گر گیا ۔ اور کنور کے ساتھ ساتھ لوگوں کی چیخوں اور ایک مہیب شور کے ساتھ ۔۔۔ میں بھی پانی میں ڈوبنے لگا ۔ چوبی برآمدے کا بھاری وزنی بوجھ مجھے بھی پانی کے اندر دھکیلتا ہوا ایک خطرناک بھنور کے مرکز میں لئے جا رہا تھا جو جھیل کے اندر بن رہا تھا ۔ شروع کے چند لمحوں میں میں بھونچکا سا رہا ۔ کچھ سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ کیا ہو رہا ہے ۔ اور جب دماغ نے کام کرنا شروع کیا ۔ میں پانی کے اندر ڈوب رہا تھا ۔ چند لمحوں میں موت یقینی تھی ۔

پھر میں نے پانی کی نیلی تہوں میں سے ایک مچھلی کی طرح ایک آدمی کو اپنی طرف تیرتے ہوئے دیکھا ۔ اس کے چہرے پر ایک نقاب تھا اور اس کی پیٹھ پر ایک ہلکی نلکی بندھی تھی اور پیٹھ پر آکسیجن کا ہلکا سا سلنڈر رکھا تھا ۔ پاؤں میں بطخ کی پانچ انگلیوں کی وضع کی طرح ربڑ کی ہتھیلیاں بندھی تھیں ۔ اس کے ہاتھ میں

ایک لمبا چاقو تھا۔"

میں نے اس کا ارادہ بھانپ کر اپنا کوٹ اتار دیا اور پانی میں چھوڑ دیا۔ وہ رُخ بدل کر اور میرا پیچھا چھوڑ کر کوٹ کو پکڑنے کے لئے پانی کے اندر ہی اندر تیرنے لگا۔ جب اُس نے کوٹ کو پکڑ لیا۔ اُس وقت تک میں کوشش کر کے پانی کی سطح پر آ چکا تھا۔ نیچے پانی کی تہوں میں کچھ ہلچل سی ہوئی۔ مجھے ایسا لگا جیسے میرے جوتے کا تلا کسی نے کاٹ ڈالا۔ ایک دفعہ جی میں تو آیا کہ ہمت کر کے پانی میں ڈبکی لگاؤں اور اس سے دو بدو ہو جاؤں۔ مگر وہ آکسیجن کی نلکی پہنے ہوئے تھا اور دیر تک پانی کے اندر رہ سکتا تھا۔ میں آکسیجن کے بغیر کب تک سانس روک سکتا تھا۔ اس لئے میں تیزی سے پانی چیرتا ہوا کنارے پر آ گیا جہاں بہت سی کشتیاں بندھی ہوئی تھیں اور بوٹ کلب کا برآمدہ گر جانے سے بہت لوگ جمع ہو گئے تھے۔

کنارے پر پہنچ کر میں اپنے آپ کا جائزہ لینے لگا۔ کہیں چوٹ نہ لگی تھی۔ کپڑے ضرور بھیگ گئے تھے۔ اور جسم بھی۔ بہت سے ملازم اور تیرنے والے پانی میں کود گئے تھے اور برآمدے میں بیٹھے ہوئے ممبروں کو جو پانی میں گر پڑے تھے جھیل سے نکالنے کی کوشش کر رہے تھے۔ شکر ہے کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔ کنور امر راج سنگھ بھی بچ گیا۔ وہ بھی پانی میں بالکل بھیگ گیا تھا۔

میں نے ہوٹل سے کپڑے منگا کر لباس تبدیل کیا۔ جب کلاک روم سے باہر نکلا تو لاونج میں کنور امر راج سنگھ کو بھی نئے اور عمدہ لباس میں کھڑا دیکھا۔ وہ میری طرف دیکھ کر مسکرایا ——— بولا۔

"برانڈی کا ایک ڈبل پیگ لو گے ـــ؟"

"ضرور ـــ" میں نے کہا ـ "جھیل کا کچھ پانی تو اندر گیا ہوگا ـ برانڈی جراثیم کو تحلیل کر دے گی ـــ"

ہم دونوں نے جام ٹکرا لیئے ـ

پینے لگے ـ

"کتنے سنگ دل ہو" پیچھے سے ایک آواز آئی ـ "امراج ہمیں ڈرنک آفر تک نہیں ملا ـــ"

ہم دونوں دانستہ بار کے ایک کونے میں کھڑے ہو گئے تھے ـ تاکہ کچھ باتیں کر سکیں ـ آواز سن کر گھوم کر جو دیکھا ـ تو کنور رانی فیروزہ جنہوں نے راجہ صاحب دارآباد سے طلاق لے لی تھی ـ بار کے ایک سٹول پر بیٹھی ہوئے ہوئے چکر کھاتی نظر آئیں ـ اسٹول کی سیٹ ہوئے ہوئے گھوم رہی تھی جس سے ان کے لانبے بھورے بال جن میں انہوں نے ایک بڑا اسفید ہیروں کا کارنیشن لگا رکھا تھا ـ کسی پرستانی ساحرہ کی طرح اڑتے دکھائی دیتے تھے ـ کنور رانی کا گول مٹول دھولا چہرہ ان بالوں کے ہالے میں بڑا پیارا لگ رہا تھا ـ ہونٹ ذرا سے کھلے تھے جیسے چومے جانے کے لئے بیتاب ہوں اور آدھے کھلے سینے کی شفاف گھاٹیوں میں وہ خطرناک سی لکیر جہاں آدمی کو اپنا سر رکھ دینے کو جی چاہتا ہے ـ نازک شفاف جلد کے اندر خون یوں جھلکتا تھا جیسے ہاتھ لگانے سے بہہ نکلے گا ـ

"ہائے اللہ کتنے سنگ دل ہو" وہ پھر بولیں ـــ بھویں کمان کی طرح تن گئیں ـ میں نے دیکھا کنور رانی کی باہیں بالکل بچوں کی طرح تھیں ـ

گول مٹول اور ان میں کہنیوں پر گڈھے پڑتے تھے۔ وہ ایک بھولی بھالی
دوشیزہ سی لگ رہی تھیں۔ اور انہیں دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ بیس
برس کی لڑکی نہیں ہیں۔ بتیس برس کی پوری عورت ہے جو گزشتہ دس
سالوں میں تین شوہروں سے طلاق لے چکی ہے۔ پہلے شوہر بانکی پور کے
مشہور تعلقدار نواب صاحب اختر حسین خان تھے۔ دوسری شادی راجہ صاحب
بھنیڑہ نگر سے ہوئی تھی۔ تیسری شادی راجہ صاحب دارآباد سے۔ تینوں ان
سے طلاق لینے پر مجبور ہو گئے تھے۔ کیونکہ کنور رانی فیروزہ کو نئے مردوں کا
ہوکا تھا۔ وہ اپنے شوہر سے کچھ عرصے تک تو مطمئن رہتیں۔ پھر کسی نئے مرد
کے لئے بے قرار ہونے لگتیں اور اس امر کے لئے وہ بالکل بے بس تھیں۔ کچھ
عرصے تک تو وہ بالکل سیدھا سادی ستی کی طرح اپنے شوہر کو چاہتیں۔ ہر دم اس
کی وفا میں ڈوبی رہتیں۔ پھر دھیرے دھیرے اس سے اوبنے لگتیں۔ پھر وہ
وقت بھی آجاتا جب ان کے جسم کا رواں رواں کسی دوسرے مرد کی آغوش میں
گر جانے کے لئے مچل اٹھتا۔ ایسی تیز خواہش پیدا ہوتی تھی کہ وہ اپنے آپ پر
قابو پانے کی ہر کوشش کرتے ہوئے بھی قابو نہیں پا سکتی تھیں اور بے وفائی
کر جاتیں اور بے وفائی میں اس قدر آگے بڑھ جاتیں کہ کسی شوہر کا ہوش تو رہتا۔
مجبوراً شوہر کو طلاق لینی پڑتی۔ اور سمجھوتے میں معقول مہر اور ہیرے جواہرات
دینے پڑتے۔ کنور رانی فیروزہ بلا کی حسین ہونے کے علاوہ ان تین طلاقوں
کے بعد بے حد امیر بھی ہو گئی تھیں۔ مگر نئے نئے مردوں کے علاوہ انہیں جواہرات
کے نئے نئے زیوروں کا بھی بے حد شوق تھا۔ وہ دن میں تین بار لباس
بدلتی تھیں۔ ایک صبح سے لنچ تک۔ پھر سہ پہر کا لباس۔ پھر رات میں کلب
کے لئے بیش قیمت لباس اور سنگھار۔ وہ ہر وقت برانڈی پیتی رہتی تھیں۔

…ناشتے سے جو برانڈی چلتی تھی تو رات کے کھانے تک دھیرے دھیرے چلتی رہتی … وہ ہمیشہ فرانسیسی بوتلیاں برانڈی پیتی تھیں۔ اُس سے ان کی بڑی بڑی … آنکھوں میں عجیب سا نشہ چھایا رہتا۔ جس پر نہ نگاہ ڈالتیں۔ لگتا کہ وہ … برانڈی میں نہا گیا ہے۔ مسلسل پینے سے فیروزہ کو نشہ نہیں ہوتا تھا۔ یا یوں … مسلسل نشے کی سی کیفیت رہتی تھی۔

امرراج نے جھک کر آداب کیا۔ بولا۔ "کنور رانی صاحبہ آداب — … کیجیے گا۔ میں نے آپ کو دیکھا نہیں۔"

"تمہارے ساتھ ہینڈسم (Hand Some) کون ہے؟"

… رانی نے میری طرف دیکھا۔ اشارہ کیا۔ اور ایک ہی گہری نگاہ میں مجھے سر سے … تک … پہ کھینچنے کی کوشش کی۔ دوانی ہوئی پتلیوں کے اچانک پھیلنے سے مجھ پر … تمار سا چھانے لگا۔ مگر میں چپ چاپ کھڑا رہا۔ انداز سے اتنا تو معلوم … تھا کہ کنور رانی نے میرا جائزہ برا نہیں محسوس ہوا۔ ہونٹوں پہ ایک خفیف سی … مسکراہٹ پھیلنے لگی تھی۔

امرراج نے میری طرف اشارہ کر کے کہا۔ "یہ ہیں کنور وجاہت حسین ہندبلیہ۔"

"ہندبلیہ کہاں پہ ہے —؟" فیروزہ نے میری طرف دیکھ کر پوچھا۔

ہندبلیہ کہاں پہ تھا۔ یہ تو مجھے بھی معلوم نہ تھا۔ میں گلا صاف کر کے کچھ … ہی والا تھا کہ امرراج سنگھ نے کہا۔

"آسام میں ہے …… شیلانگ کے قریب۔ ویسے تو یہ لکھنؤ کے رہنے … والے ہیں۔ مگر شاہ عالم کے آخر آخری کے زمانے میں ان کے آبا و اجداد ہجرت کر کے … آسام چلے گئے تھے۔ وہیں ان کی بہت بڑی زمینداری ہے۔"

"جبھی میں سوچ رہی تھی۔ ان کے خد و خال میں منگولیائی رنگ۔ پایا جاتا ہے۔"

"عرصے سے شلانگ میں رہتے ہیں۔ اب تو ان کے خاندان میں کئی کھاسی حسینائیں آگئی ہیں۔ کام روپ کے حُسن کے تو ہمارے شاستروں میں بھی چرچے ہیں۔"

"مگر لیوبی کی ادا کا جواب نہیں۔" میں نے کنور رانی کی طرف جسارت آمیز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔ رخساروں پر گلاب کھلنے لگے اور صراحی دار گردن کا رنگ شہابی ہوتا گیا۔ جیسے صبوحی چھلک رہی ہو۔

"کیا پئیں گی آپ۔۔۔؟ وہی نیو لیان برانڈی؟" امر راج سنگھ نے پوچھا۔

"ہاں اور کیا۔۔۔؟ مگر گرم پانی کے ساتھ۔ مجھے کچھ نزلہ سا محسوس ہو رہا ہے۔" فیروزہ بولی۔

جب فیروزہ کا پیگ آگیا تو تینوں جام ٹکرائے۔ فیروزہ نے ایک گھونٹ بھر کر کہا۔۔۔ "آپ نینی تال پہلی بار آئے ہیں۔۔۔؟"

"پہلی بار ہی سمجھئے۔۔۔" میں نے جھوٹ بولا۔۔۔ "ایک دفعہ بچپن میں آیا تھا۔۔۔"

"نینی تال آپ کو کیسا لگا۔۔۔؟"

"ابھی تو کیا کہہ سکتا ہوں۔ آئے ہوئے کل تین دن ہوئے ہیں۔ اور آج یہ حادثہ بھی ہو گیا۔"

"ارے تو کیا آپ بھی اس وقت برامدے میں بیٹھے تھے۔ جب نیچے کا چوبی ستون گر گیا۔" امر راج سنگھ بولا۔

"پانی میں گر کر گل گیا ہو گا۔"

"گلا نہیں تھا۔" فیروزہ بتانے لگی۔ "پولیس نے اچھی طرح دیکھ بھال کے

علوم کیا ہے کہ پانی کی تہہ کے اندر تک جمے ہوئے دونوں لکڑی کے پائے کسی
آری سے کاٹے گئے ہیں۔ کسی کمیونسٹ کی کارستانی معلوم پڑتی ہے۔ امیروں
سے تو یہ لوگ خلاف ہیں ہی۔ پر اب انھیں ان کی کلبوں میں بھی آرام سے نہیں
رہنے دیں گے۔ میرا جی چاہتا ہے ان کو گولی سے اُڑا دوں۔"

میں نے اور امر راج سنگھ نے فوراً ایک دوسرے کو کنکھیوں سے دیکھا۔

لاؤنج میں بینڈ شروع ہو گیا۔

فیروزہ نے دوسرا گھونٹ لیا۔ پھر تیسرا ایک بڑا گھونٹ لیا۔ گلاس کو کاؤنٹر
کی شفاف سطح پر رکھا۔ ساڑھی کو سنبھالا۔ اونچی ایڑی سے فرش کو بجانے
لگیں۔ جسم میں لہریں پیدا ہونے لگیں۔ جیسے سوئی ہوئی جھیل جاگ گئی ہو۔

میں نے کہا ——"ناچیں گی؟"

کنور رانی لچکتی ہوئی اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ گھڑی کی طرف دیکھا۔ اپنے لانبے
ناخنوں کی سیپ ایسی رنگت کو دیکھا۔ پھر مجھے سر سے پاؤں تک دیکھا۔ پھر
کاؤنٹر سے گلاس اٹھا کر ایک گھونٹ لیا۔

پھر دونوں ہاتھ میرے گلے میں ڈال دیئے۔ پاؤں تال پر ہلنے لگے۔

ہم دونوں کھڑے کھڑے کچھ دیر تک وہیں جھولتے رہے۔

"ہاں۔ مزا آئے گا تم سے" وہ بولی —— "آؤ ناچیں۔"

ہم دونوں چل کر ڈانس فلور پر آ گئے۔

بوٹا سا قد تھا اُن کا۔ اُودے پھولوں والی ساڑھی میں وہ سیب کی ہری
ڈالی کی طرح ڈولتی تھی۔ بہت اونچی ایڑی کے سینڈل پہنے تھی۔ پھر بھی میرے
سینے تک آتی تھی۔ وہ میرے سینے سے لگے لگے ناچنے لگی۔ اس کی آنکھیں کبھی
بند ہوتیں کبھی نیم وا ہوتیں۔ پتلے لانبے سیپ کے سے ناخن میرے سینے پر

دھیرے دھیرے پینے لگے۔ وہ میرے جسم سے جسم ملائے ناچ رہی تھی اور میرے جسم میں ہیجان پیدا ہو رہا تھا۔ کچھ عورتیں ایسی ہوتی ہیں کہ بےحد حسین ہوتے ہوئے بھی ان کا حُسن ٹھنڈا ہوتا ہے۔ انھیں دیکھ کر برف، بالائی پہاڑ کے جھونکے کا خیال آتا ہے۔ کچھ عورتوں کا حُسن شدید گرم ہوتا ہے۔ ان کا حُسن لاوے کی طرح تپتا ہے اور قریب جاؤ تو آنچ دیتا ہے۔ چھو جاؤ تو لہریں سی اٹھنے لگتی ہیں۔

لاؤنج میں دھیرے دھیرے بتیاں گل ہونے لگیں۔ نیم اندھیرا سا چھا گیا۔ کنور رانی کے ناخن دھیرے دھیرے میری قمیص کے سینے پر چلتے ہوئے عجیب ارتعاش پیدا کر رہے تھے۔ جی چاہتا تھا اپنا سینہ ننگا کر دوں اور ان ناخنوں کو اپنی جلد پر چلنے دوں۔ اس کی آنکھیں خمار میں ڈوبی ہوئی تھیں اور ہونٹ وا تھے۔ خشک عنابی ہونٹ۔ ایک بوسے کو ترستے ہوئے۔

پھر اندھیرا زیادہ بڑھ گیا۔ کنور رانی مجھ سے لپٹ گئیں۔ میں نے پہلے تو اپنا چہرہ اس کی صراحی دار گردن کے نیم ہالے میں چھپا لیا۔ اُس کی گردن اور بالوں کو بوسہ دیا۔ پھر میرے ہونٹ اُس کے ہونٹوں میں پیوست ہو گئے۔ بینڈ کی گت پر گانے والی سابرینا کی شہوت انگیز آواز سرگوشی تک دھیمی ہوتی چلی گئی۔

"زندگی محبت میں مر جانے کا نام ہے"

کنور رانی کے ہونٹ بڑے میٹھے تھے اور میرے ہونٹوں میں پگھل کر شہد ہوتے جا رہے تھے۔ ایکا ایک میں نے ان کے سرکتے ہوئے ناخن اپنے کوٹ کی اندر کی جیب کی طرف جاتے ہوئے محسوس کیے۔

ایکا ایک میں نے چونکتا ہو کر کنور رانی کے ہاتھ کو پکڑ لیا۔

کنور رانی نے زور سے چیخ ماری۔

بار میں اُجالا ہو گیا۔

"میرا ہیرے کا کارنیشن فلاور۔" فیروزہ گھبرا کر اپنے کھلے بالوں میں ہاتھ لگا کر

لی ـــــ "اس نے چرا لیا۔"

فیروزہ نے مجھ سے جدا ہوتے ہوئے میری طرف گھبرائی ہوئی نظروں سے دیکھ کر کہا۔

"ابھی میرے بالوں میں اٹکا تھا۔ میرا پانچ لاکھ کا کارنیشن۔ سفید ہیروں والا۔"

دو چار آدمی میرے گرد جمع ہو گئے۔ ان میں امر راج سنگھ بھی تھا۔

"اس کی تلاشی لی جائے ـــــ" فیروزہ بولی۔ "امر راج سنگھ تمہارا دوست

ور ہے۔ اس کی تلاشی لو۔"

امر راج سنگھ آگے بڑھا۔ جلدی سے اُس نے میرے کوٹ کی تلاشی لی۔

ندر کی جیب سے ہیرے کا کارنیشن برآمد ہو گیا اور نیلم کی بڑی آنکھ سب کی

نکھوں میں جھلکنے لگی۔ اُس آنکھ کے سامنے کارنیشن کا رنگ بھی پھیکا پڑ گیا۔

"بنی دیوی کی آنکھ۔" بہت سے لوگ ایک ساتھ چلائے۔ میں نے

ھاگنے کی کوشش کی۔ مگر اب ایک جم غفیر میرے گرد جمع ہو گیا تھا۔ کسی نے کہا

لیس بلاؤ۔ کسی نے پولیس کو ٹیلیفون کیا۔ کسی نے میری پتلون کی تلاشی لی۔ کسی

نے مجھے ایک گھونسا مارا۔ کسی نے لات ماری۔ اتنے میں پولیس آگئی اور مجھے گرفتار

کر کے لے گئی۔

جوالا سہائے مجسٹریٹ فرسٹ کلاس کی عدالت کا کمرہ تماشائیوں سے کھچا کھچ بھرا

ہوا تھا۔ اتنی بھیڑ عدالت میں کبھی نہ دیکھی گئی تھی۔ بہت سے ایسے تماشائی بھی تھے جنہوں نے عدالت پہلی بار دیکھی تھی۔ یاٹ کلب کے بہت سے رئیس ممبر اگلی بنچوں پر بیٹھے ہوئے عدالت کی کارروائی کو غور سے دیکھنے میں مصروف تھے۔ کرسیوں کی دوسری قطار میں کنور رانی فیروزہ لیمن رنگ کی پھول دار ساڑھی پہنے ہوئے تھیں۔ کانوں میں جیڈ کے آویزے۔ گلے میں جیڈ کا گلو بند اور ہاتھوں میں جیڈ کی جہانگیریاں پہنے ہوئے اور بالوں کو اوپر باندھے ہوئے۔ وہ خود بھی گپتا عہد کی کوئی تراشی ہوئی سنگِ مرمر کی مورتی معلوم ہوتی تھیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان کے حسن میں بلا کی جاذبیت اور تازگی تھی۔

میں مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا تھا اور وہ ایک منقش چینی پنکھا کھولتے اور بند کرتے اور جھلاتے ہوئے میری طرف بار بار حیرت، دلچسپی اور اشتیاق سے دیکھ لیتی تھیں۔

پولیس انسپکٹر نثار احمد جس نے مجھے گرفتار کیا تھا اور جس نے یاٹ کلب میں میری جیب سے ہیرے کا کارنیشن برآمد کیا تھا اور نیلی دیوی کی آنکھ بھی۔ اس وقت وکیل صفائی کی جرح کا جواب دے رہا تھا۔

"تم نے ہیرے والا کارنیشن ملزم کی اندرونی جیب سے برآمد کیا۔؟" وکیل صفائی نے پوچھا۔

"جی ہاں!"

"داہنی جیب سے یا بائیں جیب سے۔؟"

"داہنی جیب سے!"

"اور جس وقت تم نے یہ کارنیشن برآمد کیا۔ اس وقت ملزم کیا کر رہا تھا۔؟"

"کنور رانی صاحبہ فیروزہ کے ساتھ بال روم میں ناچ رہا تھا۔"

"بال روم میں روشنی تھی ؟"

"اس وقت بجھ گئی تھی ۔ محض چند لمحوں کے لئے ۔"

"تو ہو سکتا ہے اصلی ملزم کوئی اور ہو ۔ اُس نے روشنی واپس آنے پر ڈر کر اپنی جان بچانے کے لئے جلدی سے یہ ہیرا ملزم کی جیب میں ڈال دیا ہو۔"

"ایسا ہو سکتا ہے جناب ۔" انسپکٹر نثار احمد نے دل جمعی سے بولا ۔" مگر ملزم کی جیب ۔ سے صرف ہیرے کا کار نیشن ہی نہیں نکلا ہے ۔ بلکہ نیمی دیوی کی نیلم کی آنکھ جو بڑے مندر سے چوری ہو گئی تھی اور جس کا آج تک پتہ نہ چل سکا تھا ۔ وہ بھی اس خطرناک چور کی جیب سے برآمد ہو گئی ۔"

"ملزم کا اصلی نام کیا ہے ۔ ؟"

"یہ تو کسی کو معلوم نہیں ۔ نینی تال میں یہ اپنا نام کنور وجاہت حسین بتاتا ہے ۔ مگر بمبئی ریل گاڑی سے یہ آیا ۔ دہلی تک اس نے ایک کو پے کو اسی نام سے بُک کیا تھا ۔ اس پر مسز شانتا بنرجی نام کی ایک عورت کے قتل کا الزام بھی ہے ۔ ملزم بہت خطرناک ہے ۔ اسے کڑی سزا ہونی چاہیئے ۔"

"میں پھر کہتا ہوں ۔" وکیل صفائی بولا ۔" اصلی مجرم کوئی اور ہے ۔ جب روشنیاں بجھیں تو اس اصلی مجرم نے پولیس کے ڈر سے یا اس خوف سے کہ پولیس ... ناک میں ہے ۔ ہیرے کا کار نیشن اور نیمی دیوی کی آنکھ چپکے سے میرے موکل کی جیب میں رکھ دیں ۔ چور کا ارادہ بعد میں میرے موکل کو پکڑ کر یا جان سے مار کر کسی دوسرے طریقے سے ان چیزوں کو حاصل کر لینے کا تھا ۔ میرا موکل ایک شریف خاندان کا رئیس زادہ ہے ۔ کنور وجاہت حسین آف بنڈیلہ ۔ آسام کے معزز گھرانوں میں اس کے خاندان کا شمار ہوتا ہے ۔"

انسپکٹر نثار احمد بولا ۔" پولیس کو تحقیقات کرنے پر پتہ چلا ہے کہ بنڈیلہ

نام کی کوئی جگہ آسام میں نہیں ہے اور اس نے اپنا اتہ پتہ جو بتایا ہے وہ بالکل غلط ہے۔"

وکیل صفائی نے کہا۔ "اب میں کنور رانی صاحبہ پر جرح کرنا چاہوں گا۔"

کنور رانی صاحبہ اپنی ساڑھی کا پلّو سنبھالتی ہوئی اٹھیں۔ سب کی نظریں اُن پر تھیں۔ اور اٹھتے اٹھتے ان کے جوان جسم کا ہر خم اپنی جھلک دکھا گیا۔ نخرات ائی بے سدّ ند تھے۔ اُن کی آنکھوں میں چمک تھی اور ہونٹ کسی قدر کھلے۔ دل کی دھڑکن تیز اور جنسی اشتیاق کی لہر سر بلند۔ بچکتی، مہکتی، سرسراتی کنور رانی گواہ کے کٹہرے میں پہنچ گئیں۔

صرف مجسٹریٹ جوالا سہائے اُن کے حُسن سے متاثر نہ ہوئے تھے۔ وہ پستہ قد گول مٹول، بینگنی رنگ کے ادھیڑ عمر کے مرد تھے۔ چہرے سے لگتا تھا کہ ہر روز اپنی بیوی کی ڈانٹ کھا کے آتے ہیں اور یہ کہ ان کی بیوی بھی انہیں کی طرح بدصورت ہوگی۔ خوبصورت عورت کی ڈانٹ کھا کے مرد کبھی بے سُرا نہیں ہوتا لیکن مجسٹریٹ جوالا سہائے جن خشمگیں نگاہوں سے ہر خوبصورت کو تکتے تھے اور جس روکھے پن اور درشتی سے دوسرے لوگوں سے پیش آتے تھے اُس سے بھی اندازہ ہوتا تھا کہ یا تو اُن کی بیوی بدصورت اور بدمزاج ہے اور یا اُنہیں مستقل بدہضمی کی بیماری ہے۔ ماتھے پر ہر وقت تیوریاں چڑھی رہتی تھیں۔ کنور رانی صاحبہ کو انہوں نے شدید ناپسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھا۔ بولے۔

"وکیل صفائی کی جرح سے پہلے چند سوال میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"پوچھیے۔ پوچھیے۔" کنور رانی مسکرا کر بولیں۔ اور چینی پنکھا جھلانے لگیں۔

"پنکھا مت جھلائیے۔" جوالا سہائے نے چیں بہ جبیں ہوتے ہوئے کہا۔

"اُوہ۔ اللہ قسم۔ کتنی شدید گرمی ہے۔ جوالا سہائے جی آپ اپنی عدالت

کیوں نہیں کراتے؟" کنور رانی بولیں۔
ہنسنے لگے۔
۔۔۔آرڈر۔۔۔" مجسٹریٹ چلایا۔
خاموش ہو گئے۔
نی مجسٹریٹ جوالا سہائے کی طرف دیکھ کر بڑی بشاشت سے بولیں
ب کی بیگم صاحبہ کٹھل کی بھاجی بڑی عمدہ پکاتی ہیں۔ پرسوں انہوں نے مجھے
یں تو شاہی قورمہ سمجھ کر کھا گئی۔ بعد میں باورچی نے بتایا۔ کٹھل کی بھاجی تھی۔
یہاں سے آئی تھی۔ میں تو کسی دن آپ کی بیگم صاحبہ سے کہنے والی ہوں۔
چی کو یہ سبزی بنانا سکھا دیں!"
بڑی مشکل سے لوگوں نے ہنسی ضبط کی، مگر پوری عدالت میں تبسم کی لہر

ب جوالا سہائے کی بیگنی جلد میں ہلکی سی سرخی آ چلی تھی۔ غصے کی سرخی۔ مگر اپنے
لے۔
ئے یہ عدالت ہے۔ آپ میرے سوالوں کا ٹھیک ٹھیک جواب دیجئے۔
ر کی باتیں نہ کیجئے۔"
کچھ پوچھیں تو میں بتاؤں۔" کنور رانی بولیں۔ اور پھر انہوں نے اپنا
ل کے اس میں سے ناخن تراشنے کا آلا نکالا اور ناخن تیز کرنے لگیں۔
ہائے کی بھنویں تن گئیں۔ بولے "آپ نے کتنی شادیاں کی ہیں؟"
ہ کوئی سوال ہے۔ نینی تال میں ہر شخص جانتا ہے۔ آپ خود بھی جانتے
"ے

ہ عدالت ہے۔ یہ عدالت بھی حیا فروش(؟) ہے"

"تین .... تین ...... مگر اُن تینوں طلاقوں میں میں بے تق

ایک معصوم اور بھولی عورت جو ہوس پرست شوہروں کے ظلم و ستم کا ش

کنور رانی کی آنکھ میں آنسو چھلکنے لگے۔

"میں آپ سے آپ کی طلاقوں کی تفصیل نہیں پوچھنا چاہتا۔

جاننا چاہتا ہوں کہ یہ ہیرے کا کارنیشن آپ کو کس شوہر نے تحفے میں د

کسی شوہر نے نہیں۔ یہ کارنیشن تو مجھے بمبئی میں سیٹھ لگنانی ن

دیا تھا۔"

"اور اُس نے آپ کو تحفے میں کیوں دیا تھا۔ اتنا بیش قیمت تحف

تحفے میں نہیں دے دیتا ہے۔"

"یونہی نہیں دیا تھا۔ جو الا پرساد جی۔"

"یور آنر کہیئے۔ یہ عدالت ہے۔"

"یور آنر۔ یہ کارنیشن ہیروں والا سیٹھ لگنانی نے مجھے اس ا

کہ میں نے بھی اس کا کام کیا تھا۔"

"کیا کام ۔۔؟"

"میں نے اپنے سیوس بنک جو جنیوا میں ہے۔ اس بنک پر ا

ہزار ڈالر کا چیک دیا تھا۔ کیونکہ اُسے فارن ایکسچینج کی ضرورت تھی

"کیا آپ کو فارن اکاؤنٹ کے انکم ٹیکس کا علم ہے؟"

"نہیں تو ۔۔۔"

"تو آپ نے فارن بنک میں روپیہ رکھ کے انکم ٹیکس سے چھپا

ہے۔ پھر اس اکاؤنٹ سے فارن ایکسچینج ریزرو بنک کی اجازت

کو سپلائی کر کے اور بھی بڑا جرم کیا ہے۔"

ئے اللہ تو کیا کسی دوست کی مدد کرنا جرم ہے ؟" کنور رانی صاحبہ
کے کمرے میں چاروں طرف اپنی معصوم نگاہیں گھماتے ہوئے پوچھا۔
یٹ جوالاسہائے نے تیکھی نگاہوں سے ان کرسیوں کی طرف دیکھا
بیٹھے تھے۔ جوالاسہائے کو کنور رانی شدید طور پر ناپسند تھیں۔ آج انہوں
ے لیا تھا۔ کلب میں ہر شخص کنور رانی کا والہ و شیدا تھا۔ آج جوالاسہائے
اں اصلی صورت سب کو دکھا دی تھی۔
وکیل صفائی جرح کریں گے ؟" مجسٹریٹ نے فاتحانہ انداز سے پوچھا۔
صفائی سر ہلا کے بولا ــ" یور آنر آپ کے سوالوں کے بعد بہت کم
کے لئے رہ جاتے ہیں۔ مگر......"
ری وکیل اٹھ کر بولا " یور آنر جو سوال ابھی کئے گئے۔ ان کا اصلی مقصد
ت نہیں ہے۔ کارنیشن کا زیور کسی نے بھی دیا ہو۔ کنور رانی صاحبہ کا
بنک میں ہے۔ کس بنک میں نہیں ہے اس بات کا بھی اس مقدمہ سے
ہے۔ اصل واقعہ جو پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ملزم نے
حبہ کے بالوں سے یہ ہیروں کا کارنیشن چرا کر اپنی جیب میں رکھ لیا۔
اگر کوئی سوال کیا جائے تو ٹھیک ہے۔ باقی کارروائی کو عدالت
ے تو بہتر ہے۔"
اس سلسلے میں کنور رانی صاحبہ سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں " وکیل

چھیئے۔ پوچھیئے " کنور رانی بولیں۔
آپ اپنے ناخن تیز کرنا بند کر دیں تو پوچھوں "
یٹ اعلیٰ نثری جوالاسہائے مزا کر بولے "۔ یہ عدالت ہے کنور رانی

صاحب مکمل نہیں ہے۔ یہاں ایسے کاموں کے لئے اجازت نہیں دی

"سالک مجسٹریٹ صاحب" کنور رانی بڑی معصومیت سے

"مجھے معلوم نہ تھا ایسا کرنا یہاں منع ہے"

کنور رانی نے اپنا ہینڈ پرس بند کر دیا۔ اور اپنے بالوں کو ٹھیک کرتے ہوئے بولیں۔ "پوچھئے"

وکیل صفائی نے پوچھا "جب ملزم نے آپ کے کہنے کے مطابق کان کے اوپر بالوں میں ٹنکا ہوا کارنیشن چرا لیا۔ اُس وقت آپ کہاں تھیں۔؟"

"اُس کی باہوں میں"

"اُس کی باہوں میں کیا کر رہی تھیں؟"

"ناچ رہی تھی"

"ناچ رہی تھیں۔ تو اتنے قریب سے اُس نے پھول کیسے چُرایا آپ کو معلوم تک نہ ہوا؟"

"کیا بتاؤں۔ اُس نے مجھے بالکل اپنے قریب کر لیا۔ اور کانوں پر گنگناتے ہوئے کہنے لگا۔" وہ انگ باندھ کر جو رکھا ہے اچھا ہے۔ پھر اُس نے میرے بالوں کو سونگھا۔ بولا "تمہارے ہیر پرس کی خوشبو آتی ہے۔ پھر جب روشنی گل ہوئی تو اس نے اچانک میرے ہونٹوں پر رکھ دیئے اس بدمعاش نے اور ہونٹ زبان چوسنے لگا اور میں تقریباً بے ہوش بے سُدھ سی ہو گئی۔ اُسی کی حالت میں اس کمبخت نے میرا کارنیشن چُرا لیا"

لیکن ملزم تو یہ کہتا ہے کہ پھول آپ نے اُسے دیا۔ اپنی جیب میں

لئے اور یہ کہ آپ نے اُس کے رقص کی بے حد تعریف کی۔ اور کہا کہ آج رات
کے ساتھ دو تین بار اور ناچیں گی۔ لیکن چونکہ آپ نے دوسرے لوگوں سے بھی
پینے کا وعدہ کر لیا تھا جس میں آپ کے کہنے کے مطابق دو تین لوگ مشتبہ تھے۔
لئے آپ نے یہ بہتر سمجھا کہ اس کارنیشن کو ملزم کی تحویل میں دے دیا جائے۔"
"یہ بالکل غلط ہے۔ میں اپنی ایک مسکراہٹ دے سکتی ہوں۔ ایک ناچ۔
ہیروں والا کارنیشن؟ ہو نہیں سکتا۔"

یونہی بڑی دیر تک عدالت کی کارروائی چلتی رہی۔ جب کارروائی ختم ہونے
میں چند منٹ رہ گئے تو مجھے مجرموں کے کٹہرے میں پھر کھڑا کر کے سرکاری وکیل
نے سوال کرنے لگا۔ "کیا تم اقبال کرتے ہو کہ تم نے کارنیشن چرایا۔؟"
"جی نہیں۔"
"کیا تم اقبال کرتے ہو کہ نینی ڈیوی کی نیلی آنکھیں تم نے چرائی تھی۔"
"جی نہیں۔"
"عدالت میں اب تک جو گواہیاں دی جا چکی ہیں اور جو ثبوت پیش کئے
جا چکے ہیں اُن کے پس منظر میں کیا تم اب بھی اپنا جرم ماننے کے لئے اگر تیار
ہو سکتے ہو تو اس میں تمہارا بہت بھلا ہے۔"
"میں بے قصور ہوں۔"
"کیا تم اس بات سے بھی انکار کرتے ہو کہ یہ پستول تمہاری جیب سے
ملا۔ تمہارا نہیں ہے۔؟"
"کون سا پستول۔۔؟"
پولیس انسپکٹر نے گلابی رنگ کا ایک چھوٹا سا پستول میرے ہاتھ میں دیا۔

"یہ ہم نے تمہاری جیب سے برآمد کیا ہے۔"

بجلی کی سی سرعت کے ساتھ میں نے پستول چلایا۔ گولی انسپکٹر کے ہاتھ پر لگی۔ ہاتھ لہولہان ہو گیا۔

ساری عدالت میں سناٹا چھا گیا۔

میں آنے والے چند لمحوں میں کٹہرے سے باہر تھا۔ پستول میرے ہاتھ میں تھا۔ اُسے خطرناک طریقے پر لہراتا ہوا میں پُرجوش آواز میں عدالت سے باہر جاتے ہوئے کہنے لگا۔

"جو میرے سامنے آئے گا اُسے بھون کے رکھ دوں گا۔"

مجمع کائی کی طرح چھٹ گیا۔

میں پیچھے ہٹتے ہٹتے عدالت سے باہر تھا۔ باہر آکر میں نے دو گولیاں ہوا میں چلائیں اور دوڑتا ہوا کچہری کے پیچھے دیوار کے گھنے جنگل میں غائب ہو گیا۔

اب قدموں کی آوازیں آرہی تھیں اور آوازوں کا شور بڑھ رہا تھا اور پولیس والے جنگل کا رُخ کرکے گولیاں چلا رہے تھے مگر میں ایک ڈھلوان سے نیچے اتر کے نالہ پار کرکے دوسرے گھنے جنگل میں گھستا چلا گیا۔ میں بہت تیز قدموں سے چل رہا تھا۔ مجھے اپنے اور پولیس کے درمیان فاصلہ رکھنا تھا۔ اگر انہوں نے مجھے پکڑ لیا تو اب موت یقینی تھی۔

قریب آتی ہوئی آوازیں آہستہ آہستہ دور ہوتی گئیں۔ پھر ایک دم غائب ہو گئیں۔
میرے چاروں طرف گھنا جنگل تھا۔ میں ایک پیڑ کے تنے سے ٹیک لگا کر سوچنے
لگا۔ جب میں نے آگے کا پروگرام سوچ لیا تو اٹھ کر آگے بڑھا۔ پہاڑ کی چوٹی چڑھ
کر دوسری طرف نیچے اتر گیا۔ نیچے اترتے اترتے اسی سڑک پر ہو لیا جو المورڑے کو
جاتی تھی۔

یہاں ساتگرہی کا گاؤں تھا۔ سڑک کے دو رویہ عمدہ دکانیں تھیں اور
دکانیں اس لئے تھیں کہ المورڑہ جانے والے مسافر یہاں ناشتہ کرتے تھے یا المورڑہ
سے واپس آنے والے یہاں چائے پیتے تھے۔ میں نے یہاں پوری اور آلو کی بھاجی
کھائی۔ دکاندار سے پوچھا کہ رانی کھیت کو بس کس وقت جائے گی۔ اُس نے
کہا "رانی کھیت جانے والی بس پیچھے اڈے پر کھڑی ہے۔ معلوم کر لیجئے شاید
ٹکٹ مل جائے۔"
معلوم کرنے پر مجھے ٹکٹ مل گیا۔ ٹکٹ لے کر میں نے واپس پھر آکر چائے بنوائی۔
دکاندار کو بتایا کہ مجھے رانی کھیت کا ٹکٹ مل گیا ہے۔ اُسے ناشتے کے پیسے دیتے
وقت جیب میں ہاتھ ڈالا تو روپوں کے علاوہ گلابی رنگ کا پستول بھی نکل آیا۔ میرا
خیال ہے دکاندار نے پستول دیکھ لیا ہوگا۔ اُس کی آنکھوں میں چونکنے کی جو
چمک سی پیدا ہوئی اس سے میں نے اندازہ لگایا اور میں چاہتا بھی یہی تھا کہ وہ
پستول کو اچھی طرح سے دیکھ لے۔ اس کے کچھ عرصے کے بعد میں نے دیکھا کہ اُس نے
مجھے رانی کھیت جانے والی بس پر سوار ہوتے دیکھا۔ بس اُس کی دکان کے سامنے
سے نکل گئی۔ وہ گھور کر شاید بس کا نمبر پڑھنے اور اُسے یاد کرنے کی کوشش میں تھا۔
رانی کھیت جانے کا میرا کوئی ارادہ نہ تھا۔ میں سات میل آگے جا کر یوپی کے

اڈے پر اُتر گیا۔ اور واپس سڑک کے بجائے کھیتوں اور گھاٹیوں میں چلتے چلتے واپس سانگری کے مقام پر پہنچ گیا۔ اب شام ہو چلی تھی اور الموڑے اور رانی کھیت سے واپس آنے والی لاریاں سانگری کے چھوٹے سے بازار میں کھڑی تھیں اور مسافر لوگ چائے پی رہے تھے اور میں سامنے پہاڑ کی ایک اوجھل ٹہنی میں لیٹا ہوا یہ منظر دیکھ رہا تھا۔

اتنے میں سامنے نینی تال کی جانب سے ایک پولیس جیپ آئی اور اُس میں سے پولیس کے سپاہی اور انسپکٹر نکلے اور دوکاندار سے بات چیت کرنے لگے میرا اندازہ صحیح نکلا ـــــ وہ دکاندار بڑے زور سے ہاتھ ہلا ہلا کر پولیس والوں کو کچھ بتا رہا تھا اور جیب سے کاغذ کا ایک پرزہ نکال کر جس پر غالباً بس کا نمبر لکھا ہوگا بڑی اہمیت سے پولیس والوں کو دکھا رہا تھا۔ میں مسکرا دیا۔

تھوڑی دیر کے بعد پولیس جیپ رانی کھیت کی طرف چل دی۔ مگر اب شام ہو چلی تھی اور وہ لوگ کسی طرح آج اس بس کو نہیں پکڑ سکتے تھے۔ دوسرے دن رانی کھیت یا ممکن ہے الموڑہ جا کر انہیں پتہ چلے۔ جب تک میں محفوظ تھا۔ پھر بھی احتیاط ضروری ہے۔ میں ٹہنی سے نکل کر مشرقی جانب کے گھنے جنگل کی طرف چلا۔ کنارے کنارے۔ اندر نہیں گیا کہ شام بڑھ رہی تھی۔ کوئی دو میل چلنے کے بعد جب میں نے تین چوتھائی دائرے میں چکر لگا لیا ہوگا مجھے ایک گھر درختوں میں گھرا نظر آیا۔ کسی کسان کا گھر تھا۔ گھر کے نیچے مکئی کے چند کھیت تھے اور میں صبح کے ناشتے سے اس وقت تک بھوکا تھا۔

میں نے جبر ہو کر ایک کنج میں بیٹھ کر اپنے داہنے پاؤں کی پتلون پھاڑ دی اور اُسے ایک زخم کی پٹی کی طرح اپنی داہنی ٹانگ پر لپیٹ لیا اور ان درختوں کے جھنڈ سے نکل کر لنگڑاتے ہوئے کسان کے گھر کی طرف چلا۔

میں بہت زیادہ لنگڑا رہا تھا۔ چلتے چلتے رُک جاتا اور درد و کرب کی لہریں میرے چہرے پر نمودار ہوتیں۔ کبھی میں کسی چٹان یا کسی تنے کا سہارا لے کر بیٹھ جاتا اور چند لمحے آرام کر لیتا۔

میں نے دیکھ لیا تھا کہ ایک طرف سے کسان کھیتوں سے گھاس کاٹ کر سر پر گٹھا اٹھائے ہوئے مجھے شبے کی نظروں سے دیکھتے ہوئے مویشی خانے کی طرف بڑھ رہا ہے۔ دوسری طرف سے مویشیوں کو ہنکاتی ہوئی ایک جوان لڑکی مویشی خانے کی طرف بڑھ رہی ہے۔ دونوں کی نظریں مجھ پر تھیں۔ مگر میں نے ایسا ظاہر کیا جیسے میں نے انہیں نہیں دیکھا۔ میں لنگڑاتا لنگڑاتا کسان کے گھر کی طرف سر جھکائے چلا جا رہا تھا۔ ایکا ایک شدید کرب کی ایک لہر میرے جسم میں دوڑ گئی اور میں مجبور ہو کر ہانپتا ہوا ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔

کسان پہلے میرے قریب پہنچا۔ گٹھا گھاس کا زمین پر رکھ کر بولا۔

"چوٹ کیسے لگی؟"

"شکار کے لئے نکلا تھا۔ ایک چٹان سے پھسل کر ایک تیز دھار دار پتھر سے ٹکرایا۔ ٹانگ زخمی ہو گئی۔ پٹی باندھلی ہے۔"

"بندوق کہاں ہے؟"

"اوپر جنگل میں کھڈ میں گر گئی۔ نیچے کھڈ میں جانے اور اُسے تلاش کرنے کی مجھ میں ہمت نہ تھی۔ اور پھر رات بڑھ رہی ہے اس وقت کہاں جاؤں گا۔"

جوان لڑکی مویشی خانہ میں مویشیوں کو باندھ کر باہر نکلی۔ مجھے سر سے پاؤں تک دیکھ کر بولی "بابو دیکھتے کیا ہو بے چارہ زخمی ہے۔ سہارا دے کر گھر کے اندر لے چلو۔"

ایک طرف سے باپ نے سہارا دیا۔ دوسری طرف سے لڑکی نے۔ میں لنگڑاتا

لنگڑاتا گھر کے اندر پہنچ گیا۔ ایک دیوار کے کونے سے لگ کر کراہنے لگا۔

"لکشمی" باپ نے بیٹی کو بلا کر کہا۔ "دیکھ۔ دیگچی میں دودھ ہے۔؟ ہو تو گرم کر کے اسے پلا دے۔"

لکشمی بولی۔ "دودھ تو نہیں ہے۔ ابھی مویشیوں کو چارہ کھلانے جاؤں گی تو دودھ دوہ کے لاؤں گی۔"

کسان پیر کے قریب اکڑوں بیٹھ کر پٹی بندھی ٹانگ کو غور سے دیکھنے لگا۔ پھر اس کی جانب ہاتھ بڑھا کر بولا۔ "دیکھوں تو زخم کیسا ہے؟"

"ہائے۔ ہاتھ مت لگانا" میں چیخا۔ "شدید درد ہوتا ہے۔"

"کوئی بات نہیں ہلدی اور پیاز پیس کر باندھ دوں گا۔ درد جاتا رہے گا۔"

"نہیں" میں نے گھبرا کر کہا "ممکن ہے ہڈی ٹوٹ گئی ہو۔ چھیڑنے سے کچھ خرابی پیدا ہو جائے۔ اسے تو کسی ڈاکٹر کو دکھانا چاہیئے۔"

"ڈاکٹر تو قریب میں کوئی نہیں ہے۔ ہاں ایک انگریز جوگی ہے۔ اس سے میری لڑکی کبھی کبھی دوائے آتی ہے۔"

میں چونک گیا۔ "انگریز جوگی۔؟"

"ہاں" کسان بولا۔ "یہاں سے سات میل دور اس طرف" ہاتھ کے اشارے سے اس نے سمت بتا کر کہا۔ "ادھر ایک گھنے جنگل میں ایک پرانا مندر ہے۔ وہاں ایک انگریز جوگی رہتا ہے۔"

"کب سے۔؟"

"ابھی نیا نیا آیا ہے۔ بہت کم ملتا ہے لوگوں سے۔ میرے خیال میں تو کسی کو معلوم بھی نہیں کہ وہ یہاں ہے۔ اس مندر میں۔ ایک دن میری لڑکی جنگل میں گائیں چراتی ادھر جا نکلی تو انگریز جوگی نے اسے کام پر لگا دیا۔ وہ ایک ٹائم اس کے

برتن صاف کرتی ہے اور صبح اس کے لئے دودھ دے کے آتی ہے۔ دس پندرہ دن ہوئے مجھے بخار ہوا تھا تو انگریز جوگی نے دوا دی تھی جس سے میں اچھا ہو گیا۔"

میں نے کہا ــــ "میں کل صبح کسی طرح تمہاری لڑکی کے ساتھ اس انگریز جوگی کے ہاں چلا جاؤں گا۔ اور اس سے دوا لوں گا۔"

"ہاں یہ ٹھیک رہے گا۔"

کسان چپ ہو گیا۔ میں سوچنے لگا۔ کچھ دل میں ایسا احساس تھا کہ ممکن ہے یہاں سے کوئی سراغ ملے۔ میں نے یونہی باتوں باتوں میں کسان سے پوچھا۔

"یہ زمین تمہاری ہے؟"

"نہیں بٹائی پر ہے۔ تھوڑی سی زمین ہے۔ کچھ تو مالک لے جاتا ہے۔ اپنے لئے بہت کم بچتا ہے۔ پھر میں اچھوت ہوں۔ نیچے گاؤں میں رہنے کی اجازت نہیں ہے، اس لئے جنگل میں گھر بنایا ہے۔"

"لڑکی کتنے برس کی ہے؟"

"اٹھارہ برس کی۔"

"اٹھارہ برس کی اور ابھی شادی نہیں ہوئی؟"

"ادھر نزدیک میں کوئی اچھوت نہیں ہے۔ کہاں شادی ہو۔ اور شادی کے لئے بھی چاہیئے اور وہ اپنے پاس نہیں۔ کہ عزت کے ساتھ شادی کرسکوں۔ ماں اس کی مر چکی ہے۔ میرے سنگ میرا سارا کام سنبھالتی ہے۔"

"کب تک اسے گھر میں بٹھائے رکھو گے؟"

"جب تک قسمت بٹھائے۔" کسان بولا۔ "ویسے سامنت شاہ اس کے سات سو روپے دیتا ہے۔"

"لڑکی خریدے گا ــــ؟"

"ہاں خرید ے گا۔"

"شادی کے لیئے ۔۔؟"

"نہیں ۔ رکھنے کے لیئے۔"

"تو تم تیار ہو۔"

"نہیں۔"

"کیوں نہیں۔"

"سات سو میں دھان کا کھیت نہیں آئے گا۔ لڑکی دوں تو بدلے میں زمین ملے تو بات ہے۔ اور لڑکی میری تم نے دیکھی تو ہے۔ سب کہتے ہیں بہت خوبصورت ہے۔ وہ انگریز جوگی کہتا ہے۔ تیرہ سو مجھ سے لے لو۔ لکشمی کو مجھے دیدو۔"

"انگریز جوگی شادی کرے گا؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

کسان بولا ۔۔ "نہیں ۔ پاس رکھے گا۔ بولتا ہے یہ میری نوکرانی بن کر رہے گی۔ میرا سب کام کرے گی۔ اس کو میں جوگ بھی سکھاؤں گا۔ مندر میں رہے گی۔"

"تو تم تیرہ سو لوگے ۔۔؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں۔ تیرہ سو میں بھی دھان کا کھیت نہیں آئے گا۔ کم سے کم ڈھائی ہزار ملے۔ تو بیچ دوں۔ ایسی خوبصورت لڑکی جیسی میری لکشمی ہے۔ سات کوس میں کہیں نہیں ہوگی۔"

"تم نے لڑکی سے بھی پوچھا ہے۔؟"

"اس سے کیا پوچھنا۔ وہ انکار نہیں کرسکتی۔ میں اس کا باپ ہوں۔"

"میری نگاہوں میں لکشمی کا سراپا گھوم گیا۔ پتلے پتلے گلابی ہونٹ اور گہرے

کال۔ جیسے ان پر کسی نے روژ لگا دیا ہو۔ مگر پاؤڈر اور روژ اور کسی قسم کے
اپ سے بالکل عاری چہرہ کتنا خوبصورت لگتا ہے۔ بڑی بڑی بھوری
اور بیٹھے پر لمبی بھوری چٹیا۔۔۔ سارا جسم چھریرا سا۔ مگر کہیں بھاری اور
گے کو نکلا ہوا۔ لکشمی کا بدن بے حد پرکشش تھا۔ دیکھتے ہی اُسے بازوؤں
میں لینے کو جی چاہتا تھا۔ کسان لڑکی کی فطری مضبوطی کے باوجود اس کے
کا سنہرا پن کو دیتا ہوا معلوم ہوتا تھا۔
میں نے کہا۔ "میں تمہیں اس کے تین ہزار دے دوں گا"۔
عورتیں سدا سے میری کمزوری رہی ہیں۔ اور بہت خوبصورت عورت
کمال ہی نظر آتی ہے۔ لکشمی پر سے نظر ہٹانے کو جی نہ چاہتا تھا۔ اس کی چال
عجیب سی لچک تھی۔ اور آواز میں گھنٹی کی سی کھنک۔ اس کا پورا جسم گدرایا
پھلتا، سلگتا سا لگتا تھا۔
"تم تین ہزار دو گے؟" کسان حیرت سے میری طرف دیکھنے لگا۔
میں نے پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک ہزار کے نوٹ گن کر اُسے
دے دیئے۔ "اسے ایڈوانس سمجھو۔ باقی دو ہزار اس وقت تمہیں ملیں گے
جب تم لکشمی کا ہاتھ میرے ہاتھوں میں پکڑا دو گے"۔
کسان نے سو سو کے دس نوٹ بڑی احتیاط سے گن کر اپنی انٹی میں رکھے
کے چہرے پر مسرت کی کرنیں آنے لگیں۔ اس کی آنکھوں میں خواب چھانے
۔ وہ زمین خرید ے گا۔
اتنے میں لکشمی آگئی۔ سر پر دودھ کی مٹکی رکھے ہوئے کسی نئے سبز رنگ
طرح لچکتی ہوئی۔ اس نے مجھے دودھ گرم کر کے پلایا۔ پھر رات کو کھانا کھلایا۔
اور اس کا باپ ایک کونے میں کھسر پھسر کرتے رہے۔ میں اپنے کونے میں

الگ بیٹھا رہا۔ میں نے اس کی باتوں میں کوئی دخل نہیں دیا۔

کمرے میں صرف ایک چارپائی تھی۔ پرانی جھلنگا سی۔ اس پر لکشمی سو

باہر برامدے میں ایک کھٹیا پڑی تھی۔ اس پر لکشمی کا باپ سوتا تھا۔ برامدہ

طرف سے لکڑی کے جنگلے سے بند تھا۔ ایک طرف چولہا تھا جس پر لکشمی کھانا پکاتی

جب سونے کا وقت آیا تو لکشمی کا باپ اپنا کمبل لے کر باہر کی کھاٹ

چلا گیا۔ لکشمی نے اندر سے کنڈی چڑھا کر دروازہ بند کر دیا اور مجھ سے کہنے لگ

"تم کھاٹ پر سو جاؤ۔ میں نیچے فرش پر سو رہوں گی۔"

"نہیں۔" میں نے اس سے کہا۔ "میں نیچے فرش پر سو رہوں گا۔ تم

کی طرح اپنی کھاٹ پر سو جاؤ۔"

لکشمی کچھ نہیں بولی۔ اس نے فرش پر ایک کمبل بچھایا۔ دوسرا اس کے او

رکھا۔ اسی طرح ایک کمبل کھاٹ پر بچھایا۔ دوسرا پائنتی پر رکھ دیا۔ طاق کا دیا گل ک

اب کمرے میں بالکل اندھیرا تھا۔ کہیں کوئی کھڑکی بھی نہ تھی۔ صرف چوڑیو

یا چاندی کے کڑوں کے کھنکنے کی صدا سے معلوم ہوتا تھا کہ لکشمی فرش پر لیٹ گئ

ہے یا لیٹنے کی تیاری کر رہی ہے۔ دو ایک بار چٹیلے کے موتی جھنجھنا اُٹ

پھر اُس نے دو تین لمبی سانسیں لیں جن سے لگتا تھا کہ وہ میری کھاٹ کے قریب

نیچے بستر پر لیٹی ہے۔

کمرے میں مکمل اندھیرا تھا۔ میں چند منٹ تو چپ چاپ دم سادھے اپن

بستر پر لیٹا رہا۔ پھر آہستہ سے نیچے اتر کر ٹٹول ٹٹول کر لکشمی کے بستر پر چلا گیا او

اس کے کمبل میں گھس گیا۔

وہ کمبل کے اندر بالکل ننگی منہ پھیرے دوسری طرف کروٹ لئے لیٹی

تھی۔ کھردرے کمبل کی تہوں میں مجھے اس کا بدن بے حد نرم اور گرم معلو

میں نے دھیرے دھیرے اس کا کندھا پکڑ کے اس کے چہرے کو اپنی طرف سر کا
اس نے جب میری طرف کروٹ لی تو ایکا ایکی وفور جوش میں ہم دونوں کے
کمان کی طرح تن کر ایک دوسرے سے لپٹ کر بھینچ گئے۔ اس کی سانس رک
رک چل رہی تھی۔ اور میں اس کے چہرے پر بوسوں کی بارش کر رہا تھا۔ میں نے
کے سارے بدن کو چوما۔ چومتا چلا گیا۔ پھر اس نے ایک لمبی سانس لے کر مجھے
اوپر لٹا لیا۔

بعد میں میرے کان کی لو کو اپنے دانتوں میں دبا کر شریر لہجے میں بولی۔

"اب تمہاری ٹانگ میں درد نہیں ہوتا۔؟"

میں نے ہنس کر کہا "میں نے لنگڑانے کا بہانہ کیا تھا"

وہ بولی "میں نے پہلی نظر میں معلوم کر لیا تھا" وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔
رات کے اندھیرے میں اس کی ہنسی پھولوں کی پھلجھڑی کی طرح بکھر گئی۔

دوسرے دن صبح کو اٹھ کر نکشمی کو انگریز جوگی کے نئے دودھ لے کر جانا تھا۔
مجھے دوا لینے۔ اس لیے ہم لوگ جلدی اٹھ بیٹھے اور جلدی تیار ہو گئے۔
جانے سے پہلے میں نے کسان کو دو ہزار روپے اور دیئے۔ نکشمی کے
باپ کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔ اب وہ زمین خرید سکتا ہے اور زمین ہو تو
سبھی آجاتی ہے اور عزت بھی آجاتی ہے اور زندگی آرام سے کٹ جاتی
ہے۔

میں نے اس سے کہا "جب تک میں ٹھیک نہیں ہوتا میں تمہارے گھر میں
رہوں گا"

"تمہارا اپنا گھر ہے۔ ایک طرح سے تم اب میرے داماد ہو۔"

میں نے برا سا منھ بنایا ۔" ایسا سوچو بھی مت ۔ میں لکشمی سے شادی نہیں کر
وہ میری ایک طرح سے نوکرانی ہوگی ۔ اس سے بہت سے کام لیے جائیں گے
جیسے اس انگریز جوگی نے کہا تھا ۔"

"ٹھیک ہے ۔ ٹھیک ہے ۔ مجھے کیا ۔" کسان نے سر ہلا کے کہا ۔" یہ تو
لڑکی کے بھاگ میں جو ہوگا سو ہوگا ۔"

راستے میں جنگل جاتے ہوئے میں اب تیزی سے چل رہا تھا ۔ اتنی تیزی سے
کہ کبھی کبھی تو لکشمی بھی پیچھے رہ جاتی تھی ۔ پھر ہنس کر کہتی ۔

"اے لنگڑے ذرا ٹھہر ۔"

میں نے مصنوعی طور پر غصّہ دکھاتے ہوئے کہا ۔" اے لڑکی اپنے مالک کو
لنگڑا کہتی ہے ۔ میں نے تجھے تین ہزار روپے دے کر خریدا ہے ۔ اب میں تیرا
مالک ہوں ۔"

"تو اب تجھے کیا کہوں میرے مالک ۔ ؟"

"بابو ۔"

"بابو ۔"

"ہاں بابو کہا کر ۔"

"اچھا بابو جی یہ تو بتاؤ ۔ تم کہاں کے رہنے والے ہو ۔ ؟"

"بہت دور کے ۔"

"یہ کوئی جواب ہوا ۔ ؟"

"بس اتنا جاننا ہی کافی ہے ۔"

لکشمی دیر تک چپ چلتی رہی ۔

اب کے میں نے پوچھا ۔" اے لڑکی ۔"

مجھے لکشمی کہو نا۔"

"لکشمی جب تو نے مجھے لنگڑا نے دیکھ کر معلوم کر لیا تھا کہ میں اصل

نہیں ہوں تو اس سمے اور کیا کیا کچھ معلوم کر لیا تھا۔؟"

"یہ کہ تم بڑے جالم مرد ہو۔"

"جالم کیسے؟"

"یاد کرو رات کو تم نے کیا کچھ نہیں کیا۔ سارا بدن دُکھتا ہے۔"

"اور تو نے مجھے کہاں کہاں نہیں کاٹ کھایا ہے۔ سارے بدن پر نیل

ہیں۔ بھوکی۔"

"چھی۔" کہہ کر لکشمی نے شرما کے منہ پھیر لیا۔

اور آگے چلے۔ راستے میں جنگل کے اندر ایک بیحد خوبصورت کنج

۔ نیم دائرے میں دیودار وں کے پیڑوں کی گھنی قوس اور اس کے

کنارے پھول کھلے ہوئے اور اس کے اندر ہری ہری گھاس کا

۔۔۔۔۔۔

نے رُک کر لکشمی کی طرف معنی خیز نگاہوں سے دیکھ کر کہا۔

"یہاں تیرے سنگ پیار کرنے کو جی چاہتا ہے۔"

"دھت۔" لکشمی اٹھلا کر بولی۔ "مٹکی پھوڑ دوں گی تیرے سر پر۔"

ہنس کر آگے چل پڑا۔ راستے میں رُک کر بولا۔ "اس انگریز جوگی نے

کبھی نہیں کیا۔؟"

"تو بہت چاہتا تھا اس کا۔ ایسی میٹھی میٹھی نظروں سے دیکھتا تھا۔ مگر..."

رک گئی۔

"کیا۔؟" میں نے پوچھا۔

"سودا نہیں طے ہوا۔"

"کیوں ۔۔؟"

"وہ میرے صرف تیرہ سو دیتا تھا۔" لکشمی نے اپنی بھنوین کمان کی کھینچ کر میری طرف دیکھا۔ بولی ۔۔ "بھلا کیا میں تیرہ سو کی ہوں؟"

"تو تو تین ہزار کی بھی سستی ہے۔"

"ادھر ہمارے علاقے میں یہی رواج ہے۔ غریبوں اور اچھوتوں کی ایسے ہی بک جاتی ہیں۔"

"ہر کوئی۔؟" میں نے پوچھا۔

"ہر کوئی تو نہیں۔ پر کوئی کوئی۔ جو بہت غریب ہوتے ہیں۔ جیسا کہ باپ ہے۔ جس کے پاس جمین نہیں ہوتی۔ وہ لڑکی بیچ کر اپنے ارمان پو کر لیتے ہیں۔"

"تم اسے ٹھیک سمجھتی ہو ۔۔؟"

"ٹھیک نہیں ہے تو غلط بھی کیا ہے۔ جمین کے بغیر کسان کیا؟ مالک کے بغیر عورت کیا ہے۔"

"میں تیرا مالک ہوں!"

"تم مجھے کیا سمجھتے ہو یہ تم جانو۔ میں تو جندگی بھر تم کو اپنا مالک سمجھو

پھر کچھ دیر تک چپ چاپ چلے۔ پھر وہ بولی۔ "مندر قریب آرہا

میں نے پوچھا۔ "نیا مندر ہے کہ پرانا ۔۔؟"

"بہت پرانا۔" لکشمی بولی ۔۔ "اس پہ بہت گھاس پھوس جھاڑ جھنکا ہوا تھا۔ انگریز جوگی نے آکے سب صاف کرایا ہے۔"

"کس دیوی یا دیوتا کا مندر ہے؟"

...یہ تو میں نے اندر جا کے نہیں دیکھا۔ مندر کے گرد بڑا سا احاطہ ہے۔ اس کے
ایک دروازہ ہے۔ دروازہ نیا نیا لگتا ہے۔ لکڑی کا دروازہ ہے۔ اس
ایک گھنٹی لگی ہے۔ اس گھنٹی میں ایک لمبی رسّی بندھی ہے۔ جب میں
...ے پہ جاؤں گی تو گھنٹی کو ہاتھ میں لے کر ہلا دوں گی۔ تو اندر کہیں گھنٹی بجنے
...ے اور انگریز جوگی دروازے پہ آکر دودھ لے جاتا ہے۔"

"اور برتن کہاں صاف کرتی ہو؟"

"مندر کے پیچھے چار کٹیاں ہیں۔ ان میں سے ایک میں رسوئی ہے۔
...ں میں انگریز جوگی کے چیلے رہتے ہیں۔"

"چیلے ۔۔۔ چیلے بھی ہیں اس کے۔؟"

"ہاں ایک عورت ہے اور مرد ہیں۔"

میں سوچ میں پڑ گیا۔ بہت دیر تک خاموش رہا۔ گھنے جنگل کے بیچوں بیچ
...مندر کی عمارت نظر آنے لگی تھی۔ مندر کے دروازے سے ذرا فاصلے پر
گھنے پیڑ پر گھنی بیلیں چڑھی ہوئی تھیں۔ میں ان کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ میں
...ی کو سمجھا دیا تھا کہ وہ انگریز جوگی سے میرے متعلق کوئی بات نہ کرے۔ نہ یہ
...ے کہ وہ کسی کے ہمراہ یہاں آئی ہے۔ لکشمی ما... گئی۔

دروازے پہ پہنچ کر لکشمی نے بائیں ہاتھ سے گھنٹی پکڑ کر اسے زور زور
...لا یا۔

چند منٹ کے بعد دھیرے سے دروازہ کھلا۔ گیروے کپڑے پہنے ہوئے
دراز قد گورا آدمی دروازے میں کھڑا نظر آیا۔ میں اسے دیکھ کر چونک

یہ رابرٹ نہیں تھا۔

۹

اس روز میں اس کے سامنے نہیں گیا۔ لکشمی دودھ کی مٹکی دے کر مندر کے پچھواڑے سے چلی گئی۔ اور جب تک وہ برتن وغیرہ صاف کر کے آئی۔ میں سوچتا رہا رابرٹ ہیل یہاں کیا کر رہا ہے؟ میں ایک عجیب سا خطرہ محسوس کر رہا تھا۔ میرے سارے حواس جاگ گئے تھے۔ میں سوچ رہا تھا اس مندر کے اندر کیا ہے؟ مندر کے اندر جانا کیسے ممکن ہو گا۔!

جب لکشمی کام کر کے واپس آگئی تو میں نے اُسے ساتھ لے کر مندر کے دُور دُور رہ کر اس کے چاروں طرف چکر لگایا۔ مندر چاروں طرف گھنے درختوں سے گھرا ہوا تھا۔ بہت سا حصہ ڈھے چکا تھا۔ جو باقی تھا اس کو دیکھنے سے پتہ چلتا تھا کہ یہ ہندو مندر نہیں ہے۔ بودھوں کا وہار رہا ہو گا۔ کسی زمانے میں چاروں طرف اونچی دیوار تھی۔ جھاڑ جھنکاڑ کافی صاف کرنے پر بھی بہت سی جگہوں پر اُگا نظر آتا تھا۔ پچھواڑے کا جنگل بہت گھنا تھا۔ ہم لوگ دُور تک اس کے اندر گھومتے رہے۔ مگر کچھ ملا نہیں۔ میرا دماغ برابر کام کر رہا تھا۔ مگر میں ابھی تک کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا تھا۔

لکشمی نے راستے بھر بہت سے سوال مجھ سے کئے۔ کچھ کے جواب میں نے دیئے زیادہ تر ہوں ہاں کر کے ٹالتا رہا۔ جب لکشمی نے دیکھا کہ میرا ذہن کہیں اور ہے تو وہ چپ ہو گئی۔ باقی راستے چپ رہی۔ پھر اس کا گھر آگیا۔

لکشمی کا باپ بہت بےچین اور بےقرار دکھائی دیتا تھا۔ کبھی کبھی وہ عجیب نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگتا، مگر میں اپنی ہی اُدھیڑبُن میں مصروف تھا۔ اس لئے میں نے اس کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی۔

صبح سے دوپہر ہو گئی تھی جنگل جنگل گھومنے میں۔ اسلئے زوروں کی بھوک لگی تھی۔ جب لکشمی نے گرم گرم دو روٹیاں سالن کے ساتھ کھلائیں تو میں نے خوب مزے لے لے کر سیر شکم ہو کر کھایا۔ اور بیچ بیچ میں اُس کے کھانے کی تعریف کرتا رہا۔

کھانا کھانے کے بعد مجھے نیند آگئی۔ میں غالباً دیر تک سوتا رہا۔ کیونکہ جب اُٹھا تو سہ پہر کے سائے ڈھل چکے تھے اور شام قریب آچلی تھی۔ گھر سے باہر لکشمی کا باپ ایک درانتی پتھر پر رگڑ کر تیز کر رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں ایک چمک سی پیدا ہوئی۔ پھر فوراً بجھ گئی۔ اور وہ سر جھکا کر درانتی تیز کرنے میں مصروف ہو گیا۔

میں نے اُس سے پوچھا۔ "لکشمی کہاں ہے۔۔۔۔؟"

"ڈھور ڈنگر چرانے گئی ہے۔"

"تم درانتی کیوں تیز کر رہے ہو۔۔۔؟"

"گھاس کاٹوں گا مویشیوں کے لئے چارہ چاہیئے۔"

میں نے ایک جماہی لی۔ بولا۔۔۔ "دوپہر میں کھانا بہت کھا لیا۔ بہت سو لیا۔"

وہ کچھ نہیں بولا۔

میں اس کے سامنے لنگڑاتے لنگڑاتے چلتے ہوئے کہنے لگا۔ "ذرا اس دھار کا رنگ دکھلاؤں ۔۔۔۔؟"

وہ بولا۔ "تم نے انگریز جوگی سے دوا نہیں لی۔"

میں نے کہا۔ "درد کچھ کم ہے۔ پھر میں سوچ رہا ہوں نینی تال جا کے کسی ڈاکٹر کو دکھاؤں۔ جانے یہ جوگی کیسی دوا دے۔"

وہ چپ رہا۔ درانتی تیز کرنے میں مصروف رہا۔ میں ڈھلوان کی طرف چلا اور چند قدم چل کر جب میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ میری طرف دیکھ رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس نے جلدی سے اپنی نگاہیں جھکا لیں۔

میں ڈھلوان سے نیچے اتر کر جنگل میں غائب ہو گیا۔ چلتے چلتے چیڑھ کے ایک ٹھنٹھ پر آ بیٹھا۔ معلوم نہیں کب تک بیٹھا رہا اور سوچتا رہا۔ اب آگے مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ مگر کافی وقت ہو گیا ہو گا۔ میرے اردگرد اندھیرا ابھر رہا تھا اور دور افق پر شفق کی دودھیا بادامی سے قرمزی رنگ میں تبدیل ہو رہی تھیں اور ہوا میں ایک خطرناک خنکی آ گئی تھی۔ جنوب سے بادل امڈے چلے آ رہے تھے۔

"کب تک یہاں بیٹھے رہو گے۔" ایک آواز آئی۔

میں نے چونک کر دیکھا لکشمی تھی۔ میرے سر پہ کھڑی تھی۔

بولی۔ "میں مویشی چرا لائی۔ دودھ دوہ لیا۔ مویشیوں کو چارہ ڈال کر مویشی خانے میں بند کر دیا۔ بابو کھا کے کھیتوں کی ٹوٹی ہوئی باڑ ٹھیک کر کے آ گئے۔ اور تم جب سے یہیں بیٹھے ہو۔ کیا سوچ رہے ہو......؟"

"کچھ نہیں۔"

اس کی آنکھوں میں ایک تیز تجسس کی چمک پیدا ہوئی۔ لحظہ بھر کے لئے پھر غائب ہو گئی۔ مسکرا کر اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ بولی۔ "اٹھو، گھر چلو۔"

میں اس کا ہاتھ تھام کے اٹھ بیٹھا۔

لکشمی نے ہوا کو دو تین بار نتھنے پھیلا کر سونگھا۔ چاروں طرف دیکھا۔ آسمان کے بادلوں کو پڑھا۔ درختوں کی چوٹیوں کی جانب دیکھا۔ پھر بولی۔ "طوفان کے

ہیں"

اور واقعی جب کھانا کھا کے ہم لوگ سونے کی تیاریاں کرنے لگے تو جھکڑ تیز

اور بارش کی بوچھاریں پڑنے لگیں۔ اور جنگل کو دھند اور تاریکی نے گھیر لیا۔

بھی جب بجلی چمکتی تھی تو جنگل کے پیڑ ہوا کے زور سے جھکتے ہوئے دکھائی دیتے

میں کافی دیر تک برامدے میں بیٹھا بڑھتے ہوئے طوفان کو دیکھتا رہا۔ اندر

وہ باپ بیٹی باتیں کرتے رہے۔ پھر رکشمی باہر آئی۔ بولی "اب سوؤ گے نہیں؟"

"تمہارے بابو کیا باہر برامدے میں سوئیں گے۔ اس طوفان میں۔؟"

"ہاں" وہ بولی۔ "ہمارے برامدے میں پانی نہیں آتا۔ چاروں طرف

لگا ہے۔ اور دروازہ لکڑی سے ڈھکا ہے۔ دیکھ لو۔"

"ہاں یہ تو ٹھیک ہے۔"

"اور ہم لوگ طوفان کے عادی ہیں۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔"

"اس لئے اندر چلے آؤ۔"

اتنا کہہ کر وہ دروازے کے اندر لوٹ گئی۔

تھوڑی دیر کے بعد اس کا باپ اپنا کمبل لے کے باہر آ گیا۔

میں اندر چلا گیا۔ اندر رکشمی کھاٹ پر میرا بستر بچھا رہی تھی۔

"بے کار میں بچھاتی ہو۔ اس طوفان میں اکیلے کون سوئے گا؟"

وہ کچھ بولی نہیں۔ چور نگاہوں سے میری طرف دیکھ کر پائنتی کی طرف پلٹ

کر کمبل ٹھیک کرنے لگی۔

پھر کھاٹ کی طرف اشارہ کر کے بولی "اب تشریف بہو۔ آرام سے سو جاؤ۔"

اتنا کہہ کر اس نے اپنا بستر میری کھاٹ کے قریب۔ نیچے فرش پر بچھا دیا۔ بجلی بجھا دیا ......

کچھ دیر تک مجھے اس کے کپڑے اتارنے کی سرسراہٹ سنائی دیتی رہی اور ہاتھوں کے کنگن بجتے گئے۔ اور پاؤں کے بچھوے ... بیچ بیچ میں بادل کڑکتے تھے زمین دھمکتی تھی اور بند دروازے سے بجلی کی تیز روشنی کوند جاتی۔ اس روشنی میں میں نے ایک لمحے کیلئے دیکھا وہ کمبل سر سے پاؤں تک لیے لیٹ گئی تھی۔ ایکا ایک بادل زور سے کڑکے اور میرے جسم میں ایک گرم طوفان سا ابلنے لگا۔ اور مجھے اس کا ریشم سے زیادہ ملائم اور نرم بدن یاد آنے لگا۔

میں کھاٹ سے اتر کر اس کے بستر پر چلا گیا۔

اندھیرے میں میں نے اُسے اپنے آپ سے لپٹا لیا۔ پھر میں یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا کہ وہ رو رہی تھی۔ خاموشی سے آنسو اُس کے گالوں پر بہہ رہے تھے تاریکی میں میری انگلیاں جب اس کا چہرہ ٹٹول رہی تھیں تو اس کے آنسوؤں سے گیلی ہو گئیں۔ اور جب میں نے مزید شک دور کرنے کے لئے اپنا گال اس کے گال سے لگا دیا تو مجھے اس کا گال گیلا محسوس ہوا۔

"تم رو رہی ہو لکشمی — ؟"

"نہیں۔"

"کیا بات ہے — ؟"

"کچھ نہیں۔"

"کچھ تو ہے۔"

"بس — کچھ نہیں۔"

"بتاؤ —"

"طوفان سے ڈر لگتا ہے۔ آج پہلی بار روئی ہوں۔"

"نہیں۔ جھوٹ۔ پہاڑی لڑکیاں طوفان سے نہیں ڈرتی ہیں۔ سچ سچ بتاؤ۔" میں نے تین چار بار اس کا منہ چوم کر کہا۔

وہ بولی۔ "مجھے اٹھنے دو۔"

"اٹھ کر کیا کرو گی ۔۔۔؟"

"تمہیں اپنے رونے کی وجہ بتاؤں گی۔"

میں نے اپنے بازو اس سے علیحدہ کر لیے۔ وہ ننگی اٹھی۔ اٹھ کر اس نے دیا جلایا۔ کونے کی ایک گٹھڑی میں سے کاغذ کا ایک بڑا سا پرزہ نکالا۔ جس کی کئی تہیں تھیں۔ تہیں کھول کر جب وہ اس کاغذ کو کمبل پر بچھا رہی تھی۔ میں اس کے گھنے بالوں کی خوشبو سونگھ رہا تھا۔

"ہٹو۔ چھوڑو مجھے۔ اور دیکھو یہ کیا ہے؟"

میں نے کاغذ پر نگاہ ڈالی۔ یہ ایک بڑا سا اشتہار تھا۔ جس کے مرکز میں میری تصویر تھی۔ میرے ہاتھ میں پستول تھا اور یہ اس وقت کی تصویر تھی۔ جب میں نے عدالت میں پولیس انسپکٹر پر گولی چلائی تھی۔ اس وقت میں نے میں سے فلیش کی ایک جھلک دیکھی تھی۔ مگر جلدی فرار ہونے کی کوشش میں میرا دھیان اس باریک تفصیل پر نہ گیا تھا۔

اشتہار میں مجھے سرکار نے مفرور قرار دیا تھا اور میری گرفتاری پر پانچ ہزار انعام دینے کا وعدہ کیا تھا۔

"تم کون ہو؟" لکشمی نے پوچھا۔

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"تم نے کیا جرم کیا ہے؟"

میں نے اس کا کوئی جواب نہ دے کر اس سے پوچھا۔ " یہ اشتہار تمہیں کہاں سے ملا ۔۔؟"

"بابو صبح نیچے بازار میں گئے تھے۔ وہاں بہت سے اشتہار لگے تھے۔ بابو نے تمہاری تصویر پہچان لی۔ ایک اشتہار دوکان سے لے کر آ گئے۔"

"کیا کہتے ہیں تمہارے بابو ۔؟"

"کہہ رہے تھے کسی سے کہنا نہیں۔ کل تمہیں پولیس میں دے دیں گے۔ پانچ ہزار......"

"اور تم نے کیا کہا ۔؟"

"میں نے کہا اگر تم انہیں پولیس میں دو گے تو میں خودکشی کر لوں گی۔"

"میرے لئے ۔ خودکشی ۔۔۔۔؟"

"عورت کا مالک ایک ہی ہوتا ہے۔"

"اب وہ زمانہ نہیں رہا۔"

"فضول باتیں مت کرو۔"

"بابو نے تمہاری بات سُن کر کیا کہا ۔؟"

"چپ ہو گئے ۔ مگر ان کو میری بات کا یقین نہیں ہے۔ میرا خیال ہے وہ صبح ہوتے ہی پولیس میں جائیں گے۔"

سوچ سوچ کر میں نے ان سے کہا۔ "کیا تم ان کو ایک دن کے لئے روک نہیں سکتی ہو ۔؟"

"روک سکتی ہوں ۔ اپنی قسم کھلا دوں گی ۔ ایک دن کے لئے وہ انکار نہیں کریں گے، مگر اس سے کیا فائدہ ۔۔؟"

"تو تم کیا کہتی ہو ۔۔۔؟"

"میں کہتی ہوں کل صبح گھر سے بھاگ چلیں"

"ہم دونوں ۔ ؟"

"ہاں ہم دونوں"

"تم ایک مجرم کا ساتھ دو گی ۔ ؟"

"تم میرے مالک ہو"

اب کے میں بہت دیر تک چُپ رہا۔ پھر میں نے اس سے کہا "جیسا میں کہوں کروگی ۔۔۔ ؟"

"کروں گی"

"تو بابو کو ایک دن کے لئے پولیس میں رپورٹ نہ کرنے کے لئے راضی کرلو اور تم کل صبح یہ اشتہار لے کر انگریز جوگی کے پاس جاؤ اور اُسے یہ اشتہار دے کر بتاؤ کہ یہ آدمی میرے گھر میں چُھپا بیٹھا ہے"

"پھر ۔۔۔ ؟"

"پھر جو وہ کہے ۔ مجھے آکر بتانا"

"اچھا" وہ ایک لمبی سانس لے کر بولی ۔ پھر بہت دیر چُپ رہنے کے بعد بولی ۔

"اس سے کیا تم بچ جاؤ گے ۔۔۔ ؟"

"اب بچنے کی یہی ایک ترکیب ہے"

"سچ ۔۔۔ ؟"

میں نے کندھوں کے قریب اس کی دونوں بانہوں میں ہاتھ ڈال کے اُس کے گدگدی کی ۔ وہ ہنس کر لہرانے لگی۔ جیسے اُسے میری بات کا یقین آگیا ہو۔ یہ لڑکیاں بھی کتنی بھولی ہیں ۔ سرکتے سرکتے میرے ہاتھ آگے بڑھنے لگے ۔ اب

ہاتھوں میں دو لوٹن کبوتر تھے۔

دوسرے دن جب وہ مندر سے لوٹی۔ تو میں نے اس سے پوچھا۔
"تم نے اُسے اشتہار دے دیا تھا۔؟"
"ہاں۔"
"پھر کیا ہوا۔؟"
"وہ اُسے دیکھ کر چونک پڑا۔ دیر تک اُلٹ پلٹ کر دیکھتا رہا۔ کچھ سوچتا رہا۔ پھر بولا۔
"اور تم کہتی ہو وہ آدمی تمہارے گھر میں ہے۔؟"
'ہاں۔"
"اور اسے اس اشتہار کے بارے میں کچھ علم نہیں ہے۔؟" اتنا کہہ کر انگریز جوگی نے مجھے گہری نگاہوں سے دیکھا۔
"جی ہاں۔ کچھ معلوم نہیں ہے۔ میں نے اُسے کچھ نہیں بتایا۔"
"وہ تمہارے گھر میں کیوں آیا۔؟"
"وہ اوپر کے جنگل سے لنگڑاتا ہوا آیا تھا۔ کہتا تھا میں چل نہیں سکتا میری ٹانگ ٹوٹ گئی ہے شاید۔ دو تین دن تمہارے گھر میں رہوں گا۔ اُس نے بابو کو پچاس روپے بھی دیے تھے۔"
"تو کیا وہ سچ مچ لنگڑا ہو چکا ہے۔؟"
"جی نہیں۔" لکشمی بولی۔ "میرا خیال ہے وہ بنتا ہے۔ میں نے کبھی کبھی جب وہ اکیلا ہوتا ہے اور سمجھتا ہے اُسے کوئی نہیں دیکھ رہا۔ ٹھیک طرح سے چلتے ہوئے دیکھا ہے۔"

رابرٹ ہیل مسکرانے لگا۔ کافی دیر تک سوچنے کے بعد بولا۔ "تمہارا کیا خیال
ابھی تک وہ تمہارے گھر میں ہوگا۔ نہیں دوسری جگہ بھاگ نہیں گیا ہوگا۔ ؟"
"نہیں۔ میرا خیال ہے اُسے ہم پر کوئی شبہ نہیں ہے اور ہمیں بھی نہیں تھا۔
ب بابو نیچے بازار سے یہ اشتہار لے کر آئے تو ہم لوگوں نے اُسے پہچان لیا۔
نے کہا۔ گورو جی سے پوچھو۔ ان کے پاس یہ اشتہار لے کے جاؤ اور جیسا وہ
کرو۔۔۔"

انگریز جوگی کافی دیر تک چُپ رہا۔ تب میں نے پوچھا۔
"گورو مہاراج کیا ہم اس خطرناک آدمی کو پولیس کے حوالے کر دیں۔؟"
"نہیں" انگریز جوگی کے منھ سے نکلا۔
"تو پھر۔۔۔؟"
انگریز جوگی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ جب کافی دیر تک وہ نہیں بولا۔ تو میں
اس سے پوچھا۔
"گورو مہاراج کیا میں اس آدمی کو کسی بہانے سے آپ کے پاس لے
۔۔۔؟"
"نہیں" انگریز جوگی نے جواب دیا۔
"پولیس میں بھی نہ دوں۔ آپ کے پاس بھی نہ لاؤں۔ تو کیا کروں۔؟"
انگریز جوگی بولا۔ "میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ اُسے دور سے دیکھ کر
فیصلہ کروں گا"

"پھر کیا ہوا۔۔۔؟" میں نے بے صبری سے پوچھا۔
لکشمی بولی۔ "انگریز جوگی کچھ دور تک میرے ساتھ آیا۔ پھر وہ کنج جو تم
سنے میں دیکھا تھا نا" لکشمی مارے شرم کے سُرخ ہونے لگی۔ "جہاں۔

جہاں۔" وہ رُک رُک کر نگاہیں نیچی کر کے کہنے لگی ۔۔۔" وہ رُک کر اُس۔
ارادہ بدل دیا ۔ بولا تم آج شام کو اُسے یہاں بھیج دو ۔ اور اگر اُسے یہ جگہ
معلوم ہو تو اُسے یہاں چھوڑ جاؤ ۔ مگر اُسے چھوڑ کر خود یہاں نہیں رُکنا سیدھے
گھر چلی جانا ۔ سمجھ گئیں ۔ اور اُسے کچھ مت بتانا ۔ ورنہ سب چوپٹ ہو جائے
اس آدمی کو بالکل معلوم نہ ہو کہ تم اُسے مجھ سے ملاقات کرانے کے لئے یہاں لا رہی
سمجھ گئیں۔"

جب میں نے ہاں میں سر ہلایا تو انگریز جوگی نے ایک بار پھر مجھے سب بات
سمجھائیں اور بولا ۔۔۔" اپنے باپ کو بول دینا کسی طرح اس آدمی کو پولیس
حوالے نہ کرے ۔ پانچ ہزار تو کوئی رقم نہیں ہے ۔ اس آدمی کے ذریعہ تم
اور بھی زیادہ پیسہ مل جائے گا۔"

"بہت چالاک ہے انگریز جوگی۔" میرے منھ سے نکلا ۔

"اس میں چالاکی کی کیا بات ہے۔" لکشمی بھولے پن سے بولی ۔"
بتاؤ نا تم کون ہو ۔ اور کیوں پولیس تمہارے پیچھے ہے اور انگریز جوگی کیوں
تم سے ملنا چاہتا ہے ۔ اور تمہارے ذریعہ میرے باپو کو پانچ ہزار سے زیادہ
روپیہ کیسے مل سکتا ہے ۔؟"

میں نے سُن کر کہا ۔" ایک ساتھ تو میں سب سوالوں کے جواب نہیں دے
سکتا ۔ اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ آگے چل کر اگر تم مجھ سے وفادار رہیں تو تمہیں
ہر سوال کا جواب مل جائے گا۔"

"تم میرے مالک ہو۔" لکشمی میرا ہاتھ پکڑ کر بولی ۔" اگر تم سے وفادار
رہوں گی تو پھر کس سے ؟"

میں نے کہا ۔" وقت آنے پر دیکھا جائے گا۔"

ہرا دل کانپتا ہے۔" لکشمی نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "ضرور کوئی ہونے والی ہے۔ یا تو بابو تمہیں پولیس کے حوالے کر دیں گے۔ یا وہ انگریز جنگی الا ہے۔ مجھے اس کی نگاہیں اچھی معلوم نہیں ہوتیں۔ میں تو کہتی ہوں چلو دیں کہیں اور چل دیں۔"

تم میرے ساتھ چلو گی۔۔؟"

تمہارے سوا میرا ٹھکانہ کون سا ہے۔۔؟" وہ میرے گلے سے لگ گئی۔

یا ہو۔ ہے چلو۔"

فی الحال اُس کنج تک میرے ساتھ چلو۔ مگر وعدہ کرو مجھے چھوڑ کر گھر ؤ گی۔"

نہیں۔ میں دور کھڑی دیکھتی رہوں گی۔ درختوں میں چھپی ہوئی۔"

نہیں۔ وعدہ کرو۔ تم گھر لوٹ جاؤ گی۔"

وعدہ کرتی ہوں۔"

ایسے نہیں۔ کھاؤ میرے سر کی قسم۔"

تمہارے سر کی قسم۔"

شام ڈھلنے لگی تھی۔ جب ہم اس کنج میں پہنچے۔ مجھے وہاں پہنچا کر لکشمی بلاز میں کہا تاکہ درختوں کے پیچھے اگر کوئی چھپا ہو تو سن لے۔

میں تمہیں یہاں چھوڑ رہی ہوں بابو۔ جنگل سے گھاس کاٹنے جا رہی ہوں ن کا گٹھا لاد کے لاؤں گی تو تمہیں واپس گھر لے چلوں گی۔ تب تک تم برا انتظار کرو۔"

"بہت اچھا۔" میں نے اس سے بڑی سنجیدگی اور گھمبیرتا سے کہا۔

ہوئے تھے کہ نصف انچ سے بھی کم ہوں گے ۔ کندھے بڑے بڑے تھے اور بازو
کی مچھلیاں اُبھری ہوئی ۔ اس نے ایک گیروا چوغہ پہن رکھا تھا ۔ آستینوں کے بغیر
خاموش بے آواز قدموں سے چلتا ہوا آیا ۔ اور رابرٹ کے قریب مؤدبانہ انداز
میں کھڑا ہو گیا ۔ اُسے دیکھ کر میں نے اندازہ کیا کہ اس جنگلی کنج میں میری ٹھکائی کرنے
والا غالباً دوسرا آدمی یہی تھا ۔ اس کی فاتحانہ مسکراہٹ کہے دیتی تھی ۔

رابرٹ ہیل نے اس کی طرف اشارہ کر کے کہا "یہ نیلو ہے کا تھا ہے ۔ بڑا
کالا تو ہے ۔ وہاں قتل اور جرم اور گناہ کی زندگی سے تائب ہو کر یہاں جوگی
کر میرے منڈھ میں شامل ہو چکا ہے ۔ یہ اپنے چاقو سے معجزے دکھا سکتا ہے ۔ چاقو
کا آرٹسٹ ہے ۔ آرٹسٹ ۔ کیوں نیلو ۔ ؟"

نیلو مسکرایا ۔

رابرٹ ہیل بولا ۔ "یہ ہوش میں آ چکا ہے ۔ ہمارا مہمان ۔ اس کی رسیاں
کھول دو ۔ اور اس کے لئے چائے لے آؤ ۔ تھکا ہوا ہوگا ۔"

نیلو نے بڑی پھرتی سے رسیاں کھول ڈالیں ۔ اُس کے مضبوط ہاتھوں کی
اُنگلیاں بڑی لانبی اور بے چین معلوم ہوتی تھیں ۔ ایسے ہاتھ گلا گھونٹنے کے لئے
کس قدر موزوں ہیں ۔ میں سوچنے لگا ۔ اور جب وہ میری گردن کی رسّی کھولنے
کے لئے میرے چہرے پر جھکا ہوا تھا تو میں نے دیکھا اُس کی آنکھیں زردی مائل
نیلی ہیں ۔ بے حد پھیکی نیلی ۔ جیسے ان آنکھوں کا کوئی رنگ ہی نہ ہو ۔

رسیاں کھول کر چند منٹ کے بعد وہ چائے لے کر آ گیا اور چپکے چپکے
دبے قدموں کمرے سے باہر چلا گیا ۔ مگر مجھے کچھ ایسا محسوس ہوا جیسے وہ بند دروازے
کے اُدھر محتاط کھڑا ہے ۔

میں نے کہا ۔۔۔ "رابرٹ ۔۔۔"

"مجھے رابی کہو" رابرٹ بولا۔

میں نے کہا۔ "رابی تمہارے منہ میں چائے بہت عمدہ ملتی ہے اور تمہارے
ئے ہوئے جوگی بہت عمدہ گھونسہ مار ثابت ہو سکتے ہیں"

وہ ہنس کر بولا ۔۔۔ "ہمارا آج کا مہمان بھی تو خاص آدمی ہے۔ پولیس کا خاص
۔۔۔"

"کیا تم مجھے ابھی تک پولیس کا آدمی سمجھتے ہو۔۔۔؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"کیا سمجھتا ہوں۔ کیا نہیں سمجھتا ہوں۔ اس کا فیصلہ بہت جلد ہو جائے گا۔
رے تین چار سوالوں کا جواب دو۔"

"میں تیار ہوں"

"اگر تم پولیس کے آدمی نہیں ہو تو رتلام سے دہلی کس مقصد کے لئے آئے ہے
ور وہ نینی دیوی کی نقلی آنکھ بے چاری شانتا برجی مرحوم نے تم سے کیسے حاصل
۔۔۔؟"

"اس وقت میں پولیس کا آدمی تھا اور نینی تال تفتیش کے لئے آ رہا تھا"

"تو تم مانتے ہو کہ رتلام کی اس گاڑی میں جہاں میں نے تمہیں دیکھا تھا تم پولیس
ینٹ تھے۔ ڈیپارٹمنٹ زیڈ فور نائین کے خاص ایجنٹ۔ وہ ڈیپارٹمنٹ
سرغنہ ہیمنت سنگھ ہے۔"

"میں مانتا ہوں"

"تم نینی تال کس مقصد کے لئے جا رہے تھے؟"

"میرے پاس نینی دیوی کی نقلی آنکھ موجود تھی جسے ہم رانی کھیت کے میلے
ب لوگوں کے سامنے نینی دیوی کی چوری شدہ آنکھ کے بدلے میں اس کی جگہ جڑ
نے والا تھا۔ تاکہ دیہاتیوں کا اضطراب دور ہو۔ اس سے ہمارا ایک مقصد اور

بھی تھا کہ ممکن ہے کچھ لوگ۔ اس نقلی آنکھ کو اصلی آنکھ سمجھ کر اسے اڑانے کی کوشش کر
خصوصاً اس لئے بھی کہ ہم انٹرپول کی مدد سے اصلی نیلم کی آنکھ چرانے والے کا بیگ حاص
کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ گو ملزم بھاگ گیا۔"

"وہ فریزر کی غلطی تھی۔ اس نے اپنی جان بچائی اور بیگ تمہارے حوا۔
کردیا،" رابرٹ ہیل کا چہرہ غصے سے انگارہ ہونے لگا۔

"فریزر آج کل کہاں ہے۔۔؟"

"ہیل نے ذرا بلند اور کڑے لہجے میں کہا ۔۔ "تم نے خود ہی تو بتا دیا ہے
فریزر بھاگ گیا ہے۔"

میں نے ہنس کر کہا۔۔ "میں تمہارا امتحان لے رہا تھا۔ اصل قصہ یہ ہے
ہم نے اس سے سودا کیا۔ ہم نے اس سے اصلی آنکھ حاصل کر لی اور اس کی جا
بخش دی۔ وہ بھاگا نہیں تھا۔ ہم نے اُسے بھگا دیا تھا۔"

ہیل بولا ۔۔ "تم نے ایک راز بتایا ہے تو دوسرا راز میں بتا دیتا ہوں۔
لوگ غداروں کو بھاگنے نہیں دیتے۔ فریزر برسلز میں پکڑا گیا اور ہمارے آدمیو
نے اُسے ٹھکانے لگا دیا۔ اور اگر تم جھوٹ بولو گے تو تمہارے ساتھ بھی یہی کیا جا۔

"مجھے جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ حقیقت تمہارے سامنے۔
اس کے بعد چند منٹ تک خاموشی رہی۔

پھر ہیل نے پوچھا۔

"تو سمپت سنگھ کی اسکیم کیا تھی۔۔؟"

"میرے پاس دو آنکھیں تھیں۔ اپنی آنکھوں کی بات نہیں کر رہا ہوں۔
نیلی دیوی کی۔ ایک تو اصلی۔ جسے میں نے ایک خاص جگہ پر چھپا رکھا تھا۔ دوسری نق

"نقلی کیوں ۔۔۔؟"

تھی اس لیے کہ ہمیں اندیشہ تھا جب میں بمبئی سے چلوں گا تمہارے آدمی میرا پیچھا
یا فریزر کے گروپ کے لوگ جن سے نقلی آنکھ چھینی گئی تھی۔ میں نقلی آنکھ اُن کے
نے دوں گا۔ اور یہی ہوا بھی۔ شانتا بزجی وہ نقلی آنکھ لے کر گئی۔ "
وہ فریزر کے گروپ کی تھی۔ اُس سے ہمارے آدمی نے گاڑی میں وہ آنکھ
۔ اور شانتا کو ہلاک کر دیا۔ بعد میں جب ہمیں معلوم ہوا کہ وہ آنکھ نقلی تھی تو ہم
ں تمہارا پیچھا کرنے کی کوشش کی، مگر تم بچ گئے ــــ "

ں چُپ چاپ ہیل کے بیان پر غور کرتا رہا۔

رکار ہیل نے بنیادی سوال پوچھ ہی لیا۔ "کس موقعے پر تم نے اپنا ارادہ
ــــ ؟"

ہیں سال پہنچنے پر۔ تھوڑی سی کمزوری تو مجھ میں پہلے سے موجود تھی۔ شاید
ہو۔ میں خوبصورت عورتوں کا رسیا ہوں۔ اچھے لباس، اچھے کھانے،
ن کہن کا عاشق ہوں اور یہ چیزیں مشکل سے میسر آتی ہیں اور خاص طور پر خفیہ
اتنی تنخواہ نہیں ملتی۔ ستر لاکھ کی نیلمی آنکھ جیب میں ڈال کر پھرتے رہنا۔ ہر
آپ کو لالچ دلوانا ہے۔ آخر میں نے نیلمی آنکھ لے کر بھاگنے کا فیصلہ کر لیا۔
بھیس بدل کر کماؤں کے جنگلوں میں بھاگ جاؤں گا۔ جٹا دھاری سادھو
پھرتا رہوں گا۔ اور پھر ایک دن چپکے سے ہندوستان کی سرحد پار کر کے
جاؤں گا یا جنوبی امریکہ اور زندگی آرام اور عیش سے گزاروں گا۔ مگر
ان کو کسی طرح میرے ارادے کا پتہ چل گیا۔"

کس طرح۔ ؟" ہیل نے فوراً سوال کیا۔ "وہ بیچارہ تو بمبئی میں ہے۔"
مگر اس کے ایجنٹ تو یہاں موجود ہیں۔"

کون ــــ ؟"

"کنور امر راج سنگھ ۔ ٹیڑھی گڑھوال والا"

ہیل کے منھ سے سیٹی کی آواز نکلی ۔ جیسے وہ اس امر کے انکشاف پر

رہ گیا ہو۔

میں نے کہا ۔" حیرت زدہ ہونے کی بات نہیں ہے اس قدر ۔ وہ پرا

ختم ہو گئے ۔ اب پریوی پرس ہی سمجھو ۔" میں نے دونوں ہاتھوں سے جما

کیا ۔" تو غریب راجے کیا کریں ۔ کچھ تو کرنا ہے انہیں"۔

" تو امر راج سنگھ کو تم پر کیسے شبہ ہوا ۔۔۔؟"

" طے یہ تھا" میں نے اُسے بتایا ۔" کہ نینی تال پہنچ کر میں نیلم کی اصلی

امر راج سنگھ کے حوالے کر دوں گا ۔ اتنی قیمتی شے کا کسی ایک آدمی کی مسلسل

رہنا ہمارے اصول کے خلاف ہے ۔ یہ بات مجھ سے ہیمنت سنگھ نے طے

مگر جب میں نینی تال پہنچا تو میرا ارادہ بدل گیا ۔ میں نے سوچا ۔ زندگی میں ایک ہی

چانس کسی کو ملتا ہے ۔ بے وقوف مت بنو ۔ تمہارے بیوی بچے بھی نہیں

سیدھے سیدھے اسے لے کر ہندوستان سے بھاگ جاؤ ۔ اور میں اتنی بار

سے باہر جا چکا ہوں اور سارے ممبرے واقف ہیں اور اتنے ذریعے ہیں کہ جب

ہندوستان کی خفیہ پولیس انٹرپول کے ذریعہ مجھے ڈھونڈ نکالنے کی کوشش کرے

امریکہ پہنچ چکا ہوں گا ۔"

" ترکیب تو اچھی تھی ۔" ہیل نے سر ہلایا ۔ اُسے میری بات کا کچھ کچھ یقین

" کنور امر راج سنگھ نے دو مرتبہ مجھ سے اکیلے میں گفتگو کرنے کی کوشش

مگر میں مصروفیت کا بہانہ بنا کر ٹال گیا ۔ میرے خیال میں یا تو اُسے شبہ ہوا

ہیمنت سنگھ نے اُس سے رابطہ قائم کر کے پوچھا ہو گا اور دونوں نے وہ

یعنی مجھ پر ہیرے کا کارنیشن چرانے کا الزام لگا کر گرفتار کر لیا جائے ۔

ہیل مسکرانے لگا — بولا۔ "یہاں تم غلطی پر ہو۔ اس میں کچھ تھوڑا سا ہاتھ ہمارا بھی تھا۔"

"تمہارا —؟" میں نے چیخ کر کہا۔

"آہستہ بولو۔" ہیل نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ میں چُپ ہو گیا۔

ہیل بولا۔ "پہلے تو ہم نے یاٹ کلب کے چوبی برآمدے کو گرا کر تمہیں پانی میں غرق کر کے تمہاری جیب سے نیلمی آنکھ نکالنے کی کوشش کی تھی۔ جب اس میں ہم ناکام ہو گئے تو ہم نے کنور رانی فیروزہ کو تمہارے پیچھے لگا دیا۔"

"کنور رانی فیروزہ —؟"

"یہ اس کا اصلی نام نہیں ہے۔ وہ ہمارے گینگ کی ہے، بہرحال اس کے حسن کے جال سے مشکل ہی سے کوئی بچ سکتا ہے، اور پھر ہم تمہاری کمزوری سے بھی واقف تھے۔" ہیل مسکرا کر بولا۔ "اس لئے کنور رانی فیروزہ کو یہ کام سونپا گیا تھا کہ وہ تم سے پیار محبت کی پینگ بڑھا کر تم سے وہ نیلمی آنکھ نکلوا لے۔"

"مگر اس نے تو مجھے گرفتار ہی کروا دیا۔ ہیرے کے کارنیشن کی چوری کے الزام میں اور نیلم کی آنکھ تمہارے ہاتھ میں آنے کے بجائے پولیس کے ہاتھوں میں چلی گئی۔ اس نے ہمیں ڈبل کراس کیا۔؟"

ہیل میری طرف بہت دیر تک گھور کر دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔ "اس سوال کا جواب تم ہی ٹھیک طرح بتا سکتے ہو۔ اور اس سوال کا ٹھیک جواب بتا دینے پر ہی پتہ ٹھیک سے چلے گا کہ تم اب بھی پولیس کے آدمی ہو یا پولیس سے منحرف ہو چکے ہو۔ اس سوال کے صحیح جواب پر تمہاری زندگی اور موت کا دارومدار ہے۔"

کمرے میں بہت دیر تک خاموشی رہی۔ سانس کی آواز تک سنائی نہ دیتی تھی۔

آخر میں نے گھٹے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اگر میں اس سوال کا جواب ٹھیک سے دے دوں تو کیا تم مجھ پر مکمل بھروسہ کرو گے ــــ ؟"

"ہاں۔"

"مجھے اپنی گینگ میں شامل کرو گے ــــ مجھے اپنا پارٹنر بنالو گے ــ ؟؟"

"ہاں۔"

"اور مجھے اس نیلم کی آنکھ کی فروخت سے کتنا روپیہ ملے گا ــ ؟"

"ستر لاکھ کا تخمینہ غلط ہے" وہ ہیل بولا۔"بیچ میں تو اصلی نیلم لگا ہوا ہے لیکن آنکھ کی سفیدی والی جگہ پر سچے ہیروں کا کام ہے۔ ایک کروڑ کی مالیت ہوگی۔ تمہیں بیس لاکھ مل جائے گا۔"

"پچاس لاکھ۔"

"نہیں تیس لاکھ۔"

"پچاس لاکھ۔"

"تیس لاکھ سے ایک کوڑی زیادہ نہیں دے سکتے۔ اتنا بڑا گینگ ہے۔"

میں نے کہا۔" یاد رکھو ــ نیلی دیوی کی دونوں آنکھیں چوری ہو گئی تھیں ہم لوگ خونریزی سے صرف ایک آنکھ لے سکے۔ دوسری آنکھ کا آج تک کچھ پتہ نہیں چلا۔"

"دوسری اصلی آنکھ کا ہمیں بھی کچھ پتہ نہیں ہے۔" ہیل بولا۔

حالانکہ میں نے محسوس کیا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔

"تم میرے سوال کا جواب دو۔ تمہیں کنور رانی فیروزہ نے کیوں پولیس کے حوالے کرنا چاہا۔ کیا وہ کنور امر راج سنگھ کی ایجنٹ بن گئی تھی؟" ہیل نے مجھ سے پوچھا۔

"عام آدمی یہی جواب دے گا۔" میں نے اس سے کہا۔" مگر اصل حقیقت کچھ

...ہے، اور وہ تم بھی جانتے ہو۔ مگر مجھ سے کہلوانا چاہتے ہو تو سن لو۔ کنور رانی فیروزہ
...یری گرفتاری سے دو شکار کیے ہیں۔ کنور امر راج سنگھ عرصے سے اس کے
...چھے پڑا ہوا تھا کہ اسے اپنے ساتھ اس خفیہ کام میں لے لے۔ مگر ہر بار کنور رانی فیروزہ
...سے ٹال جاتی تھی۔ یہ کارنیشن کے ہیرے کی چوری کا معاملہ بھی کنور امر راج سنگھ کا سمجھایا
...یا ہوگا۔ اس نے مجھے گرفتار کرا کے اور مجھ پر ہیرے کے کارنیشن کی چوری کا الزام لگا کر
...ور میری جیب سے نیلم کی آنکھ برآمد کرا کر دو آدمیوں کو خوش کیا ہے۔"

"پہلا کون ہے ۔۔؟"

"کنور امر راج سنگھ۔ اب کنور رانی فیروزہ یقیناً کنور امر راج سنگھ کے اعتماد
...ں ہو گی۔"

"اور دوسرا کون ہے جس کو اس نے خوش کیا ہے۔؟"

"دوسرے تم ہو۔"

"میں ۔۔؟ میں کیسے۔؟؟"

"اس لئے کہ جو دوسری نیلمی آنکھ میری جیب سے برآمد ہوئی۔ وہ بھی نقلی تھی۔
...یرا خیال ہے میں نے دروازے کے باہر آہٹ سی سنی ہے۔"

شاید اسی وقت ہیل نے بھی سنی۔ ہیل فوراً کرسی سے اٹھ کر بے آواز قدموں
...سے بند دروازے کے قریب گیا۔ بند دروازہ کھول کر اس نے باہر دیکھا کوئی نہ
تھا۔ جب اس کی اچھی طرح تسلی ہو گئی تو اندر آیا اور مجھ سے بغل گیر ہو کر بولا۔

"تم نے ہر بات کا ٹھیک سے جواب دیا ہے۔ تم سچے غدار ہو۔"

"تمہارا مطلب ہے پولیس کے غدار ۔؟"

"ہاں۔ مگر ۔۔" وہ چند لمحے رک کر بولا ۔۔ "وہ اصلی آنکھ کہاں ہے؟"

"میرے پاس ہے۔"

" تمہارے پاس تو نہیں ہے ۔ ہم نے تمہاری اچھی طرح سے تلاشی لی ہے۔
کیا وہ لکشمی کے گھر میں ہے ؟"
" نہیں وہاں بھی نہیں ہے "
" پھر کہاں ہے ۔ ؟"
" رانی کھیت کے مندر میں ایک خفیہ جگہ رکھی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میرا خیال ہے میں
نے پھر آہٹ سی سُنی ہے ۔ "
ہیل کو بھی شبہ ہوا ۔ وہ بجلی کی سی تیزی سے باہر گیا ۔ باہر کے کمرے میں یا برآمدے
میں یا غلام گردش میں جو بھی وہ کوئی جگہ تھی ۔ وہاں اُسے کچھ نظر نہ آیا ۔ حالانکہ لالٹین
لے کر گیا تھا ۔ واپس آکر اس نے مجھ سے پوچھا ۔ " مجھے بتاؤ گے نہیں ۔ ؟"
" بتاؤں گا ۔ مگر اس سے پہلے تم مجھے گینگ میں داخل تو کر لو ۔ تاکہ مجھے یقین
آجائے کہ میں تم میں سے ایک ہوں "
" اس کام کے لئے تمہیں نینی تال بھیجنا پڑے گا "
" میں جاؤں گا "
" پرسوں تک چلے جاؤ ۔ میں سب انتظام کر دوں گا ۔ کنور رانی پیر دزہ کو خبر
کر دوں گا ۔ تمہیں اس کے پاس ٹھہرنا ہوگا ۔ وہاں سے تمہیں سب معلوم ہو جائے گا ۔ او ۔ کے "
" او ۔ کے "
" کوئی اور بات ۔ ؟"
" بس ایک بات رہ گئی ہے "
" کیا ۔ ؟"
" میں تم سے سچ بولا ۔ مگر تم نے مجھ سے جھوٹ بولا ۔
" جھوٹ ۔ کس بات پہ ۔ ؟"

"یہی کہ تم نینی دیوی کی دوسری آنکھ کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔"

"تمہارا کیا خیال ہے۔؟"

"یہی کہ دوسری آنکھ تمہارے پاس ہے۔"

ہیل دیر تک چُپ رہا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ "تم بہت ذہین آدمی ہو۔ بہت جلد بات کی تہ تک پہنچ جاتے ہو۔ اٹھو۔ میرے ساتھ آؤ۔"

جب میں اس کے ساتھ باہر گیا تو باہر زیرِ زمین چٹانوں سے گھرا ایک اور کمرہ تھا اور دُور کہیں سے جنریٹر کے چلنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ ہیل نے کافی زور لگا کر ایک چٹان میں گھُسی ہوئی آہنی ہتھی کو اوپر سے نیچے تک کھینچا۔ اس کے کھینچنے سے دھیرے دھیرے جنریٹر کا شور بڑھتا گیا اور چٹان کی دیوار کا ایک حصّہ ایک طرف کو کھسک گیا۔

پھر ہیل نے مجھے اندر آنے کا اشارہ کیا۔ میں اس کے پیچھے پیچھے اندر گیا۔ یہاں ایک بہت پرانا تہ خانہ تھا اور دیواروں سے لٹکے ہوئے سنگتراشی کے درجنوں نادر نمونے تھے۔ گندھارا اسکول۔ گپتا اسکول۔ شاہ اسکول اور کئی دوسرے اسٹائیل کے نادر بُت۔ بیچ میں ایک ستون نما چٹان تھی۔ ہیل نے یہاں بھی ایک لیور گھمایا اور ستون نما چٹان میں ایک آہنی تجوری دکھائی دی۔ اس تجوری میں بجلی کا تالا نصب تھا۔ ہیل نے اُسے ڈی فیوز کر کے تجوری کے نمبر کو گھما کر کھول دیا۔ پھر ہاتھ ڈال کر اُسے باہر نکالا۔

ایکا ایکی میری آنکھیں چندھیا گئیں۔

ہیل کی ہتھیلی پر نینی دیوی کی دوسری آنکھ چمک رہی تھی۔ اصل آنکھ شفاف ہیروں کی سفیدی کے اندر ایک بہت بڑا گول نیلم جھمک رہا تھا۔ آنکھوں کو خیرہ کئے دیتا تھا۔

چند لمحوں تک کمرے میں کامل سکوت رہا۔ پھر ہیل نے تجوری بند کرتے ہوئے بجلی کا تالا آن کرتے ہوئے لیور کو واپس گھمانے کے بعد مجھ سے کہا۔

"اب تو تمہیں یقین آگیا ہے کہ میں تم پر بھروسہ کرتا ہوں"

"بالکل ــــ"

"تو کان کھول کر سن لو۔ وہ دوسری آنکھ بھی مجھے مل جانی چاہیئے۔ دونوں آنکھوں کو اکٹھا بیچنے سے ہمیں زیادہ رقم ملے گی۔ اور اگر ہم نینی دیوی کا بُت بھی چرانے میں کامیاب ہو جائیں تو اتنی بڑی رقم مل جائے گی کہ زندگی بھر ہمیں پھر کوئی کام کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی"

"ہاتھ ملاؤ دوست"

میں نے ربال کا ہاتھ زور سے پکڑ کر جھلایا۔ پھر ایکا ایک ہم دونوں گھوم گئے۔ کوئی سایہ سا گزرا تھا۔

مگر باہر آکر دیکھا کوئی نہ تھا۔

رابرٹ ہیل ایک مضطرب ہنسی ہنسا۔ بولا "تہ خانے کے اندر روشنی کبھی عجیب فریب دکھاتی ہے"

"لگتا ہے یہیں کہیں جنریٹر بھی ہے۔ پھر لالٹین کے معنی؟ تہ خانوں میں بجلی کی روشنی کیوں نہیں کرتے ہو ــــ؟"

"جنریٹر دوسرے کام کے لئے ہے۔ پھر بھی ہر کمرے میں اگر تم نے غور سے دیکھا ہوتا تو بجلی کی روشنی کا بھی انتظام ہے۔ مگر ہم لوگ زیادہ تر لالٹین استعمال کرتے ہیں۔ بجلی دوسرے کام کے لئے ہے"

"کس کام کے لئے ــــ؟"

"آہستہ آہستہ سمجھ جاؤ گے" ہیل نے پُراسرار لہجے میں جواب دیا۔

میں چُپ رہا۔

وہ واپس میرے کمرے میں آکر بولا۔ "آج رات یہیں رہو۔ بلکہ کل رات بھی یہیں رہو۔ جب نینی تال سے جواب آجائے تو مجھ سے سب باتیں سمجھ کر نینی تال چلے جاؤ۔"

میں نے کہا۔ "اگر میں آج رات یہاں رہا تو کلکشمی کو شک ہوگا۔ میں کہیں بھاگ گیا۔ یا تم نے مجھے کہیں بھگا دیا۔ پولیس کو وہ لوگ اطلاع دے دیں گے۔ تو پولیس سیدھی اس مندر پر چلی آئے گی۔"

"یہ تم ٹھیک کہتے ہو ـــــ تو پھر۔۔۔؟"

"میں یہیں رہوں گا۔ کل شام کو تم سے ملنے آجاؤں گا۔ کل شام تک تمہیں پتہ بھی چل جائے گا کہ کنور رانی فیروزہ نے کیا جواب دیا۔"

"ہاں۔ اور نینی تال سے تمہارے سنگ جو آدمی رانی کھیت جائے گا۔ اُس کا کوڈ ابھی یاد کرلو۔"

"بولو۔"

"وہ کہے گا۔ آج جھیل میں پانی بہت کم ہے۔" اور تم کہو گے۔ "مگر کشتیاں زیادہ ہیں۔"

"وہ کہے گا آج جھیل میں پانی بہت کم ہے۔" میں نے دہراتے ہوئے کہا۔ اور میں کہوں گا۔ "مگر کشتیاں زیادہ ہیں۔" ٹھیک ـــــ؟"

"ہاں کوڈ مکمل ہوگیا۔ تم اس آدمی کے ساتھ رانی کھیت جاؤ گے اور اس خفیہ جگہ سے دوسری آنکھ برآمد کر کے اُسے دیدو گے۔"

"اگر اس نے ڈبل کراس کیا۔۔؟"

"تو تم اس کے ساتھ ساتھ لگے رہو گے۔"

"یعنی ہم دونوں ایک دوسرے کی نگرانی کریں گے۔۔؟"

ہیل زور سے ہنسا۔ پھر سنجیدہ ہوکر بولا " رانی کھیت سے واپس لکھنؤ تک۔ تمہارے سفر کا انتظام ہو چکا ہے۔ اور لکھنؤ سے دہلی اور دہلی سے پیرس تک۔ اب میں تم سے پیرس میں ملوں گا۔ اگر تم نے اس بیچ میں کوئی غلط حرکت نہ کی۔ اس صورت میں ہم دونوں اگلے جہان میں ملیں گے۔"

وہ پھر زور سے ہنسا۔

میں نے کہا ۔" یقین رکھو۔ اب مجھ سے کوئی غلط حرکت نہ ہوگی۔"

ہیل نے میری آنکھوں پر پٹی باندھی ۔" ساری ابھی تمہیں مندر اور گینگ کے سارے راز نہیں بتا سکتا۔ آہستہ آہستہ سب جان جاؤ گے۔ اور جس دن وہ اصلی آنکھ ہمارے حوالے کر دو گے اس دن سے پارٹنر بن جاؤ گے۔ ہر راز جان جاؤ گے۔ اب میں خود تمہاری آنکھوں پر پٹی باندھ کر مندر کے باہر چھوڑ آتا ہوں۔"

جنریٹر کی گھوں گھوں کی آواز دیر تک کانوں میں آتی رہی۔ ہم کئی بار پتھر کی سیڑھیاں چڑھے، کئی بار اُترے۔ کئی تنگ کاریڈوروں میں سے گزرے۔ کہیں پر تازہ ہوا کا گمان ہوتا تھا۔ کہیں پر ہوا اٹکی ہوئی اور رُکی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ کہیں پر گھٹن کا احساس ہوتا تھا۔ ایک جگہ مجھے ایسا احساس ہوا جیسے میں نے کسی عورت کی ہنسی سنی ہو۔ مگر ممکن ہے یہ میرا وہم ہو۔

کوئی آدھے گھنٹے تک چلنے کے بعد رابرٹ ہیل نے مجھے ایک جگہ روک کر میرے چہرے سے پٹی اُتار دی۔

اب میں جنگل میں کھڑا تھا اور مندر کہیں نظر نہ آتا تھا۔

میں نے رابرٹ ہیل سے پوچھا ۔" کل شام ہم کہاں ملیں گے۔؟ مندر میں۔؟"

" نہیں اسی کنج میں۔ جہاں میں نے اور نیلو نے تمہاری پٹائی کی تھی۔"

پھر وہ زور سے ہنسا۔ اُس کی ہنسی بڑی بلند اور گونج دار تھی۔ مجھ سے ہاتھ ملانے

ر وہ تیز تیز قدموں سے واپس چلتا ہوا بہت جلد درختوں میں غائب ہو گیا۔

گو مجھے دوسرے دن ہیل سے ملنا تھا، لیکن کچھ باتیں میرے ذہن میں ابھی صاف نہ ہوئی تھیں، اس لیئے میں نے اس سے ملاقات کرنے سے پہلے اپنے شبہات دور کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کے لیئے مندر کی تلاشی لینا ضروری تھا۔ تہ خانے کے اسرار سے واقف ہونا بھی ضروری تھا۔ اور اس کام کو آج رات میں کرنا تھا۔ کل تو رابرٹ ہیل سے ملاقات کرنی ہے۔

شام تک یہی سوچتا رہا کہ لکشمی کو ہمراز بناؤں کہ نہ بناؤں اور اگر کچھ بتانا ضروری ہو تو کہاں تک بتاؤں۔ سوچ سوچ کر میں نے فیصلہ کیا کہ گو لکشمی بے حد وفادار ثابت ہوئی مگر وہ ابھی تک اس قدر الہڑ اور بھولی ہے کہ اُسے کچھ بتانا شدید غلطی ہوگی۔ اس رات کو میں سر درد کا بہانہ بنا کر الگ سے کھاٹ پر اکیلا سو گیا اور لکشمی دیر تک پاؤں دباتی رہی۔ اور جب اُس نے دیکھا کہ میں گہری نیند سو گیا ہوں تو کھاٹ سے اتر کر نیچے فرش پر لیٹ گئی۔

میں سویا نہ تھا۔ دم سادھے پڑا تھا۔ دیر تک اسی طرح سویا ہوا بنا پڑا رہا۔ جب مجھے لکشمی کی سانس کی آمد و رفت سے یقین ہو گیا کہ وہ سو گئی ہے تو میں نیچے کھاٹ سے اٹھا اور دبے پاؤں چل کر دروازے تک آ گیا۔ آہستہ آہستہ دھیرے سے کنڈی میں نے بغیر آواز کے کھول لی اور باہر برامدے میں آ گیا۔ [illegible]

طرف لکڑی کا جنگلہ لگا تھا ۔ ایک کونے میں کھاٹ پر لکشمی کا باپ بے سدھ سویا ہوا تھا ۔ میں
بے آواز قدموں سے چلتا ہوا برامدے سے گزر کر باہر کی گھاس پر قدم رکھتا ہوا چوکور
باڑھ کے دروازے تک گیا اور اسے کھول کر باہر چلا گیا ۔ اور جنگل کے کنارے کنا
مندر کی سمت چلنے لگا ۔ دو ایک بار میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا کہ کہیں کوئی تعاقب
نہیں کر رہا ہے ۔ مگر کوئی نہ تھا ۔ ادھر سے اطمینان حاصل کر کے میں جنگل کے اند
چلا گیا ۔ مگر بہت دور اندر نہیں گیا ۔ صرف درختوں کی اوٹ میں چلنے کی خاطر تھوڑا
سا اندر جنگل میں چلتا رہا ۔ تاکہ مجھے کوئی دیکھ نہ سکے ۔ چاندنی بھی کھلی ہوئی تھی ، اس
بھی درختوں کی اوٹ میں چلنا ضروری تھا ۔

کوئی تین گھنٹے کی مسافت کے بعد میں مندر کے دروازے تک پہنچ گیا ۔ ایک
اونچے بڑ کا چھتنار مندر کی دیوار کے بہت قریب نظر آیا ۔ اس درخت پر چڑھ کر
میں نے اندر مندر کے صحن میں چاروں طرف نظر دوڑائی ۔ جب کوئی نظر نہ آیا
ایک شاخ کا سہارا لے کر مندر کی دیوار پر آہستہ سے اتر گیا اور وہاں سے کود کر
مندر کے صحن میں چلا گیا ۔ صحن سے مندر کے بڑے ہال تک جاتے ہوئے د
منٹ لگے ہوں گے ۔ مگر یہ دس منٹ میرے لیئے بے حد خطرناک تھے ۔ چا
ایسی شفاف تھی اور کھلی ہوئی تھی کہ کوئی بھی مجھے آسانی سے اپنی گولی کا نشا
بنا سکتا تھا ۔ اور کہیں پر کوئی آڑ ، بڑ کا سایہ یا کسی ستون کی پشت پناہ
حاصل نہ تھی ۔ مگر خیریت گذری ۔ لگتا تھا مندر کے صحن کی اس وقت کوئی
نہیں کر رہا تھا ۔ اور میں تیزی سے مگر دبے پاؤں چلتا ہوا مندر کے بڑ
ہال میں داخل ہو گیا

چوکھٹ سے گزر کر میں نے دیکھا کہ اندر ایک تو پتھریلا سنگلاخ فرش ہے
ہال کے آدھے حصے میں اور ہال کے آدھے حصے میں دوسرا پتھریلا اونچا فر

جیسی برہما نما بدھ کا ایک لیٹا ہوا سیاہ بُت ہے ۔ اس کے سوا ہال میں کچھ
۔ پتھر کی دیواریں، پتھر کا فرش ، پتھر کی گنبد نما چھت ۔ میں نے دو تین بار
ت کے گرد چاروں طرف غور سے دیکھا ۔طواف کیا ۔ مگر کوئی خاص بات نظر نہ آئی۔
میں یہ ہال چھوڑ کر اس کے پیچھے جانے ہی والا تھا کہ اچانک میری نظر بُت
ے پاؤں پر پڑی اور میں نے دیکھا کہ لیٹے ہوئے بُت کے دونوں پاؤں میں سے
ک پاؤں کا انگوٹھا دوسرے پاؤں سے تقریباً دوگنا بڑا ہے ۔ ایسی غلطی کیسے ہو
تی ہے ۔ ؟ میں نے سوچا ۔ ایک پاؤں کا انگوٹھا دوسرے پاؤں کے انگوٹھے
ے دوگنا بڑا ہو ۔ جہاں تک میں نے بدھ مت کا مطالعہ کیا ہے اور دیکھا ہے بدھ
ے دوسرے بُت بھی دیکھے ہیں ۔ ان میں کئی لیٹے ہوئے بُت بھی تھے ۔ کسی کے
ں کا ایک انگوٹھا دوسرے سے بڑا نہ تھا ۔
بُت کے پاؤں کی طرف کھڑے ہو کر سوچتے سوچتے میں نے کئی بار اس
رے انگوٹھے کو چھوا ۔ پھر ایکا ایک میرے دل میں ایک خیال آیا اور میں نے اس
گوٹھے کو پکڑ کر ہلانے کی کوشش کی مگر پتھر کا انگوٹھا اپنی جگہ سے ہلا نہیں ۔ پھر
ں نے زور لگا کر اُسے اوپر کھینچنے کی کوشش کی اس میں بھی ناکام ہو کر میں نے
ور لگا کر اس انگوٹھے کو جب دبانے کی کوشش کی تو میری حیرت کی کوئی انتہا
نہیں رہی ۔ جب میں نے دیکھا کہ میرے زور سے دبانے سے یہ انگوٹھا دبتا ہی
چلا گیا ۔ جیسے اندر کوئی کمانی لگی ہو ۔ اور جب یہ انگوٹھا دب کر دوسرے
انگوٹھے کے برابر ہو گیا تو ایک گڑگڑاہٹ سی پیدا ہوئی میں اچھل کر ایک طرف ہو گیا ۔
میرے پاؤں کے قریب یعنی بُت کے پاؤں کے قریب انگوٹھا دبانے سے
پتھر کی ایک بڑی سِل کھسک گئی تھی ۔ اور فرش کے اندر ایک اتنا بڑا گڑھا پیدا
ہو گیا تھا کہ ایک آدمی بآسانی اس کے اندر جا سکتا تھا ۔ میں نے دیکھا کہ گڑھے کے

اندر ایک زینہ ہے جو اور نیچے تک چلا گیا ہے۔

چند لمحے تک میں یہ سوچتا رہا کہ مجھے اس کے اندر جانا چاہیئے یا نہیں، پھر ہمت کر کے میں گڑھے میں گھس گیا اور جونہی میرے پاؤں پہلے زینے پر پڑے میرے اوپر پتھر کی سِل برابر ہو گئی اور واپس جانے کا راستہ بند ہو گیا۔ اب میرے لیے سوا اس کے اور کوئی چارہ بھی کیا تھا کہ میں زینے کے نیچے تک جا کے دیکھتا کہ یہ زینہ کہاں جاتا ہے۔

زینہ اترتے اترتے نیچے سے روشنی چھن کر آنے لگی۔ بائیس سیڑھیاں اُتر کے جب میں نیچے پہنچا تو اپنے آپ کو میں نے ایک لمبی غلام گردش میں پایا۔ جس کے دورویہ بہت ہی پرانے زمانے کے ہندو دیوی دیوتاؤں کے بُت ایستادہ تھے۔ اس غلام گردش میں جگہ جگہ بجلی کی روشنی تھی اور میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ میں نے کسی عجائب گھر میں سنگ تراشی کے ایسے نادر نمونے نہ دیکھے ہوں گے۔

ابھی دیکھتا ہوا جیسے ہی میں آگے بڑھا میرے کانوں میں گھوں گھوں کی آواز آنے لگی۔ کہیں پر جنریٹر چل رہا تھا۔ اور اس کی دھمک قریب سے سنائی دیتی تھی۔

ایکا ایک مجھے ایک آہٹ سی محسوس ہوئی۔ میں فوراً سرسوتی دیوی کے ایک قدِ آدم بُت کے پیچھے چھپ گیا۔ چند لمحوں کی دیر ہو جاتی تو میں پکڑا جاتا۔ میں نے نیلوپیکا تھا کو اطمینان سے سیٹی بجاتے اور ایک چابی تو کے پھل کو بند کرتے دیکھا چند لمحوں میں نیلوپیکا تھا میرے قریب سے گزر کر زینے کی طرف بڑھ گیا اور جب وہ اوپر کے زینے میں غائب ہو گیا تو میں نے سرسوتی کے بُت کے پیچھے سے نکل کر آگے جانے کی ٹھانی۔

چلتے چلتے جب میں غلام گردش کے آخری سرے پر پہنچا تو میں نے دیکھا جہاں
گردش ختم ہوتی ہے وہاں پتھر کی ایک بہت بڑی چوکھٹ ہے جس پر کنول
نقش و نگار بنے ہوئے ہیں۔ اور دروازے کے بائیں طرف سے ایک دوسری
گردش نکلتی ہے اور دروازے کے دائیں طرف بکشو کا ایک بہت بڑا بت
ہے۔ میں نے اس کی اوٹ میں جا کر اندر سے جھانکا تو ایک عجیب و غریب
نظر آیا۔ یہ ایک بہت بڑا ہال تھا۔ جس میں کئی درجن ستون ہوں گے ستونوں
پر بت تھے اور دیواروں پر بھی اور چھت پر بھی۔ بے حد خوبصورت اور
سنگ تراشی کے نمونے اور سب کے سب کام شاستر سے متعلق۔ عورت
مرد کی صحبت اور مباشرت کے سینکڑوں نمونے۔

ہال میں گھوں گھوں کا شور بلند تھا اور میں نے دیکھا کہ چھ سات گمر رے
چھینی کی ریتی لیے ہوئے دھیرے دھیرے بڑی احتیاط سے چند بتوں کو
ن یا دیوار سے الگ کر کے کاٹنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ ایک دیوار تو
خالی ہو چکی تھی۔ غالباً اس دیوار کے بت اٹھا کر باہر کی غلام گردش میں رکھ
دیے گئے تھے۔ اب ایک ستون اور دوسری دیوار پر کام جاری تھا۔ ریتیاں
ر کی آواز پیدا کرتے ہوئے چل رہی تھیں۔ ہر آدمی کے قریب پانی کی
بالٹی رکھی تھی جس سے وہ بار بار کٹی ہوئی جگہ کو صاف کرتا تھا اور اپنے
آگے بڑھاتے جاتا تھا۔

ہال کے اندر جانا خطرناک تھا، اس لیے میں اتنا ہی دیکھ کر واپس ہو لیا۔
اب دوسری غلام گردش میں چلنے لگا۔ یہاں بڑے بڑے تجسلوں کے لیور
لے بلب نظر آتے تھے۔ اور بہت اندھیرا تھا۔ پھر بھی میں کوئی آواز پیدا کیے بغیر
بڑھتا گیا چلتے چلتے ایکا ایک میرے سامنے ایک دیوار آ گئی جو ایک ہی پتھر کی

بس سے بنی ہوئی تھی۔ اب میں کہاں جاؤں۔ کیا واپس لوٹ جاؤں۔ یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ اس غلام گردش کا فائدہ کیا تھا۔ اور کیوں یہ یہاں آکر ایک دم ختم ہو جاتی تھی۔

میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ ایکا ایک پتھر کی دیوار میں سے گڑ گڑ کی آواز سنائی دینے لگی۔ اور سِل کے بیچوں بیچ پتھر کے اندر سے ایک سِل پیچھے ہٹنے لگی۔ اور ایک مٹیالا سا ہاتھ آگے بڑھتا دکھائی دیا۔

میں گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔ ایکا ایک میری نگاہ دائیں طرف دیوار پر پڑی۔ سامنے کی دیوار میں شگاف پیدا ہونے سے دائیں طرف کی دیوار میں بھی ایک پتھر کا دروازہ نمودار ہوا۔ میں جلدی سے اس دروازے کے اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد گڑ گڑ کی آواز بند ہوگئی۔ اور جس دروازے کے اندر میں داخل ہوا تھا اس دروازے میں سے نیلو پیکا کو اندر آتے دیکھا۔ اب وہ سیٹی نہیں بجا رہا تھا۔ دبے پاؤں آرہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک ٹارچ تھی۔ جب اس نے ٹارچ جلا کر روشنی کی تو میں نے دیکھا کہ اس کی پشت میری طرف ہے۔ اور ٹارچ کی روشنی کمرے کے اس ستون پر پڑ رہی ہے جس کے اندر رابرٹ ہیل مجھے دن میں لے گیا تھا۔ اور جہاں ستون کے اندر تجوری کھول کر اس نے مجھے نیلی دیوی کی آنکھ دکھائی تھی۔

میں جلدی سے دروازے کے باہر نکل آیا اور چوکھٹ کی آڑ میں نیلو کو بجلی کا تالہ ڈی فیوز کر کے تجوری کھول کر اس میں ہاتھ ڈالتے دیکھا۔

ایکا ایک اس کے منھ سے حیرت و استعجاب کی ایک ہلکی سی چیخ نکلی۔ تین بار تجوری میں ہاتھ پھیرانے کے بعد جب اس نے تجوری کے اندر ٹارچ کی روشنی ڈالی تو میں نے دیکھا کہ تجوری خالی ہے۔ نیلو نے بھی یہی دیکھا۔ اور میں دیکھ رہا

ں کے چہرے پر شدید حیرت و نا اُمیدی کے آثار نمایاں ہو چلے ہیں۔
اس سے زیادہ دیکھنے کی میں نے ضرورت محسوس نہیں کی۔ جلدی سے اُلٹے
ں لوٹ کر میں اسی دوسری غلام گردش سے لوٹ آیا اور پہلی غلام گردش میں
آیا اور زینے کی طرف چلتے ہوئے سرسوتی کے اسی بُت کے پیچھے چھُپ گیا
تھوڑی دیر کے بعد میں نے نیلو ہر کیا تھا کو دھیمے دھیمے قدموں سے چلتے
ئے سوچ میں ڈوبے ہوئے واپس آتے دیکھا۔ وہ میرے قریب سے گزر کر
ینے کے اوپر چلا گیا۔ ٹارچ جلا جلا کر روشنی کرتا چلتا تھا۔ میں سرسوتی کے بُت
ے پیچھے سے نکل کر زینے کے نیچے کھڑا ہو گیا تاکہ دیکھ سکوں کہ اوپر جانے
راستہ کیسے کھولتا ہے۔
جب سے اوپر کے زینے پر پہنچ کر اُس نے تین بار زینے پر زور
سے پاؤں مارا ایکاایک اوپر کی سل ایک طرف کو کھسک گئی اور وہ اس میں سے
ل کر اوپر چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد سل پھر اپنی جگہ پر آ گئی۔
میں کوئی آدھا گھنٹہ سرسوتی کے بُت کے پیچھے چھپا کھڑا رہا اور جب
مجھے پورا اطمینان ہو گیا کہ نیلو اب چلا گیا ہو گا تو میں نے آہستہ سے زینہ چڑھ کر
اوپر کے زینے پر تین بار اپنا پاؤں زور سے دبا دبا کر رکھا بالکل اس طرح جس
طرح نیلو نے رکھا تھا۔ پتھر کی سل ایک طرف کو کھسک گئی۔ میں نے آہستہ سے
پہلے اپنا سر نکال کے چاروں طرف دیکھا۔ جب باہر کے ہال میں کسی کو نہ پایا۔
گڑھے سے باہر نکل آیا۔
باہر نکل کے میں نے بدھ کے بُت کے انگوٹھے کو اوپر کھینچا جو نیچے دبا ہوا تھا۔
یوں یوں انگوٹھا اوپر آتا گیا فرش کا شگاف بڑھتا گیا۔ جب انگوٹھا دوسرے
نگوٹھے سے دوگنا اونچا ہو گیا تو شگاف باقی نہ رہا۔ میں دبے پاؤں مندر کے

ہال سے باہر نکل آیا۔

باہر شفاف چاندنی برس رہی تھی۔ ہر شے دودھ میں دھلی نظر آ رہی تھی۔ میں نے مندر کی چار دیواری پر نظر ڈالی اور چار دیواری کے بیچ اندر سے بند دروازے پر۔ اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ نیلو باہر نہیں گیا ہے کسی دوسرے راستے سے نکل گیا ہے، مگر وہ راستہ کون سا ہو سکتا ہے۔

میں ہال کے پچھواڑے گیا جسے میں نے ابھی تک نہ دیکھا۔ ہال کے پچھواڑے سے ملا ہوا ایک جھکتا ہوا برامدہ تھا جس کے آخر میں تین کٹیا نما کمرے تھے۔ چٹانوں سے کاٹ کر بنائے گئے کمرے تھے۔ دروازے نئے نئے لگے تھے۔ نئی لکڑی کا رنگ دکھائی دیتا تھا۔ آخری اور تیسرے کمرے میں روشنی تھی، مگر پہلے دو کمروں میں اندھیرا تھا۔

میں نے پہلے کمرے کی طرف قدم بڑھائے۔ چوکھٹ پر جا کر دروازے کو دھیرے سے دبایا۔ خیال تھا اندر سے بند ہوگا، اس لئے مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ جب میں نے دیکھا کہ دروازہ اندر سے کھل گیا۔

میرے ساتھ ساتھ چاندنی بھی اندر آگئی۔

کھاٹ پر ایک آدمی مردہ پڑا تھا۔ اور اس کی کٹی ہوئی شہ رگ سے لہو بہہ بہہ کر زمین پر منجمد ہو گیا تھا۔ آنکھوں کی کھلی پتلیوں اور چہرے پر شدید حیرت منجمد تھی۔

یہ آدمی رابرٹ ہیل تھا۔

اس کمرے میں زیادہ دیر تک کھڑے رہنا خطرے سے خالی نہ تھا، اس لئے میں بے آواز قدموں سے رابرٹ ہیل کے کمرے سے باہر نکل آیا۔ دوسرے کمرے کی طرف بے حد احتیاط سے بڑھا اس کمرے میں بھی تاریکی تھی اور دروازے پر اندر کی کنڈی کھلی ہوئی تھی۔ اس لئے ذرا سے دباؤ سے یہ دروازہ بھی کھل گیا۔

چاندنی کی شطرنجی میں مجھے ایک خالی بستر نظر آیا۔ بستر کی افراتفری سے معلوم
تھا کہ کوئی بہت جلد یہاں سے اٹھا ہے۔ میز کے قریب الماری کا ایک پٹ
ہوا تھا۔ جھانکنے سے معلوم ہوا کہ یہ کسی خاتون کا وارڈروب ہے۔ وارڈروب
نیچے جوتے بے ترتیبی کی حالت میں پڑے تھے اور یہی حالت وارڈروب کے
ٹنگے ہوئے کپڑوں کی تھی۔ لگتا تھا کسی نے اپنے پہننے کے کپڑے گھسیٹ کر نکالے
۔

میں نے چند منٹ میں جلدی سے کمرے کی تلاشی لی، مگر کچھ ہاتھ نہیں لگا۔ ایک بُک
شیلف میں چند کتابیں تھیں۔ کچھ ناول۔ مگر زیادہ تر کتابیں جنسی موضوعات پر تھیں۔ معلوم
تھا موصوفہ کو جنسیات سے خاص دلچسپی ہے۔ تلاش کرنے کے بعد بھی کوئی تصویر
جس سے کچھ اندازہ ہوتا یا کوئی خط ہی مل جاتا۔ ناکام ہو کر کمرے سے باہر نکل آیا۔
دھیرے دھیرے تیسرے کمرے کی طرف بڑھا۔ جس کے اندر روشنی تھی۔ دروازہ
ر سے بند تھا۔ مگر چونکہ کسی نالائق بڑھئی نے دروازے بنائے تھے۔ اس لئے
میں ایک درز باقی تھی۔ جو دروازہ بند ہونے کے بعد بھی اوپر سے نیچے تک کھلی
تھی اور اندر اگر روشنی ہو تو باہر کا آدمی قریب جا کر درز میں سے اندر جھانک
دیکھ سکتا تھا۔

میں نے جھانکا تو مجھے پلنگ کا ایک حصہ نظر آیا۔ پلنگ کے قریب دیوار
سے لگی ہوئی ایک رائفل اور اس کے آگے ایک کرسی اور میز۔ میز پر ایک آدمی
ٹانگیں لٹکائے ہوئے بیٹھا تھا اور بار بار اپنے سر پر مضطرب ہو کر ہاتھ پھیر رہا تھا۔
آدمی نیلو پیپکا تھا۔

اس وقت اس سے زیادہ کچھ معلوم کرنا میرے لئے ناممکن تھا اور جو کچھ میں
معلوم کر لیا تھا اس پر غور کرنا میرے لئے ضروری ہو گیا تھا۔ خصوصاً رابرٹ ہیل

کے غیر متوقع قتل کے بعد یہ معاملہ اور بھی اُلجھ کر پُراسرار ہو گیا تھا۔

واقعات اور حادثات سے جب میں نے نتائج مرتب کرنا شروع کئے تو میں اس وقت مندر کے پچھواڑے سے الگ ہٹ کر کچھ فاصلے پر دیودار کے ایک جُھنڈ کے قریب چلا گیا۔ جہاں سے میرا خیال تھا کہ مجھے کوئی نہیں دیکھ سکتا ہے۔

رابرٹ ہیل کا قتل کس لئے ہوا۔؟ ظاہر ہے نیلی دیوی کی اصلی آنکھ جو اس کی تجوری میں تھی اور جسے اس نے مجھے دکھایا تھا۔ اس قیمتی آنکھ کے لئے یہ قتل ہوا تھا۔ ہو سکتا ہے جس وقت وہ مجھے نیلی دیوی کی آنکھ اپنی ہتھیلی پر رکھے دکھا رہا تھا کسی دوسرے نے بھی اُسے دیکھ لیا ہو۔ مجھے آہٹ سی تو محسوس ہوئی تھی۔ مگر وہ کون شخص ہو سکتا ہے۔

سب سے پہلے میرا شبہ نیلو ہیکا تھا کی طرف گیا۔ جنوبی امریکہ کا خطرناک ڈاکو۔ حالانکہ رابرٹ ہیل کا دست راست تھا، مگر ایسا آدمی بھی اتنی نادر اور بیش بہا شے کے لئے ایسا اقدام کر سکتا تھا۔ ہو سکتا ہے وہ گروہ جو تہہ خانے قیمتی ہیرے جواہرات کو دیواروں سے الگ کرنے کا کام سرانجام دے رہا تھا اس میں سے کسی نے یہ ارتکاب جرم کیا ہو۔ پھر وہ عورت کون تھی۔ جو اپنے کمرے سے غائب تھی۔ ہو سکتا ہے اس نے یہ قتل کیا ہو۔ پھر میرے ذہن میں خوشی سے سیٹی بجاتے ہوئے نیلو کی تصویر آئی۔ جب وہ چاقو کے پھل پر مسرت سے ہاتھ پھیر کر اُسے بند کر رہا تھا۔ اس کے چہرے پر جو وحشیانہ خوشی میں نے دیکھی تھی۔ وہ کسی ایسے ہی قتل کا نتیجہ ہو سکتی ہے۔ اس قتل کے بعد اس کی وہ پریشانی بھی میں نے دیکھی تھی جب اُس نے تجوری کو کھولا اور اُسے خالی پایا۔ کیا کوئی اور بھی نیلی دیوی کی اصلی آنکھ۔ خفیہ تجوری اور بجلی کے تالے کو توڑ سے واقف تھا۔ جس نے وہ قیمتی آنکھ تجوری سے اُڑا لی تھی۔ میرے ذہن میں اپنے کمرے میں بیٹھے ہوئے سر پر بار بار پریشانی سے ہاتھ

رتے ہوئے نیلو پیکا تھا کی تصویر آئی - اس کے چہرے پر حیرت استعجاب، اداسی

سی اور نا امیدی تھی جیسے وہ قیمتی شے اس کے ہاتھ سے نکل گئی ہو۔ جس کے لئے

ں نے ہیل کو قتل کر دیا تھا۔ ہیل کو قتل کرتے اور تجوری کھولنے کے بیچ کے وقفے میں

ی دوسرا ہی اس نیلمی آنکھ کو لے اڑا تھا۔ مگر کون ---؟

شاید وہی خاتون ۔ ؟ مگر وہ خاتون کون تھی -؟

ہو سکتا ہے یہ قتل نیلو نے نہ کیا ہو - اسی خاتون نے کیا ہو۔ اور جب نیلو

انے رابرٹ ہیل کو مردہ دیکھا تو اس نے سب سے پہلے تجوری پر ہاتھ صاف کرنے

ی کوشش کی مگر وہ خاتون اس سے پہلے تجوری کھول کر اور وہ نادر آنکھ اپنے قبضہ

یں کر کے جا چکی تھی۔

یہ بھی ممکن ہے کہ اندرونی تہ خانے میں مورتیوں پر کام کرنے والوں میں سے

کسی نے یہ قتل کیا ہو۔ اسی خاتون کے اشارے پر۔ ہو سکتا ہے وہ آدمی

اس پراسرار خاتون کا عاشق رہا ہو۔ آخری موقعے پر اسے خاتون نے جل دے

دیا ہو۔ یا اسے بھی قتل کر دیا ہو۔ اس صورت میں اندر کے تہ خانے کے کسی کمرے

میں رابرٹ ہیل کے علاوہ کسی دوسرے آدمی کی بھی لاش ہوگی۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ خاتون اپنے عاشق کے ساتھ بھاگ گئی ہو۔ نیلی

دیوی کی آنکھ لے کر۔ اس صورت میں انہیں گئے ہوئے زیادہ عرصہ نہ گزرا ہوگا

قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ رابرٹ ہیل کا قتل ایک گھنٹے یا ڈیڑھ گھنٹے

کے اندر ہی ہوا ہوگا۔ اس صورت میں وہ خاتون ابھی اس جنگل میں زیادہ دور

نہیں گئی ہوگی۔ ممکن ہے اسے پکڑ لیا جائے۔ اگر کوشش کی جائے۔ اگر تیز

قدموں سے اس کا تعاقب کیا جائے۔

میں ابھی اسی طرح سوچ رہا تھا کہ تعاقب کروں یا نہ کروں کہ اتنے میں ایک

نال کے مانند کوئی شے مجھے اپنی پیٹھ میں چبھتی ہوئی محسوس ہوئی اور شانے پر ایک زور کا ہاتھ پڑا۔ رائفل کی نال کو محسوس کرتے ہی میں نے دونوں ہاتھ بلند کر دیئے اور دھیرے دھیرے خاموشی سے مڑا۔

میرے سامنے لکشمی کھڑی تھی اور اس کے ہاتھ میں ایک سوٹی تھی۔

چند لمحے تو مجھے شدید اضطراب اور تشنج کے عالم میں گزر کے پھر پرسکون حالت میں آنے لگے۔ پھر جب حواس ٹھکانے آئے تو میں نے آہستہ سے پوچھا۔

"یہ کیا حماقت ہے۔؟"

وہ بولی "اور تم یہاں کیا حماقت کر رہے ہو۔؟"

میں چُپ رہا۔

وہ بولی "اور مجھے چھوڑ کر چوروں کی طرح یہاں کیوں چلے آئے۔؟"

میں نے لبوں پہ انگلی رکھ کر کہا "آہستہ بولو۔ بلکہ فوراً میرے ساتھ یہاں سے چل دو۔"

"کہاں۔؟"

"میرے ساتھ آؤ۔ بتاتا ہوں۔"

"نہیں پہلے بتاؤ۔"

"ضد مت کرو۔ میرے ساتھ آؤ۔ ورنہ شکار ہاتھ سے نکل جائے گا۔"

وہ ایک عجیب ادا سے سر ہلا کر میرے ساتھ چل دی۔

کچھ دور جنگل میں جا کر بولی۔ "کہاں چلنا ہے۔؟"

"تم چلی تو آؤ۔"

وہ بولی۔ "میں تم سے زیادہ اس جنگل کو جانتی ہوں۔ اگر جگہ بتا دو گے تو میں تمہیں کسی چھوٹے راستے سے لے چلوں گی۔"

میں نے کہا " وہی جگہ دیو داروں سے گھرا ہوا کنج ۔ گھاس کا ایک لمبا اور

قطعہ ۔ جہاں ۔ جہاں ۔۔۔ اُس دن ۔۔۔۔"

اُس نے شرما کر منہ پھیر لیا ۔

پھر میرے آگے بڑھ کر چلنے لگی ۔۔۔ بولی ۔ "تم میرے پیچھے پیچھے آؤ ۔"

وہ ایک ٹیلے پر چڑھنے لگی ۔ میں اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا ۔ ٹیلے پر چڑھ کر

دونوں دم لینے کے لئے رُکے ۔ وہ بولی ۔

" یہ لو ۔ تمہارا پستول لے آئی تھی ۔"

اس نے پستول میرے ہاتھ میں تھما دیا ۔ میں نے مسکرا کر اس کا شکریہ ادا کیا ۔

وہ بولی " کون شکار ہے وہ ۔ ؟"

میں نے کہا " ایک لڑکی ہے شاید ۔ ؟"

اس کی بھنویں تن گئیں ۔ غصے سے بولی " تو جاؤ خود تلاش کرو اس حرامزادی

اپنی محبوبہ کو ۔"

میں نے ہنس کر کہا " وہ میری معشوقہ نہیں ہے میری دشمن ہے ۔ اگر

مجھے مل جائے ۔ مجھے مل جائے ۔" دانت پیس کر میں رُک گیا ۔

جب اُس نے میرے چہرے پر غصے کے آثار دیکھے تو اسے کچھ اطمینان ہوا ۔

اور تیز قدموں سے آگے چلنے لگی ۔ بولی " تمہیں کیسے اندازہ ہے وہ یہیں گئی

تھی ۔ کیا تم کبھی اس سے یہیں ملے تھے ۔ ؟"

ایکا ایک اس کی آنکھیں شرربار ہو گئیں

میں نے کہا ۔ " نہیں ۔ میں نے تو آج تک اس عورت کو نہیں دیکھا ہے "۔

" تو کہیں اس کی تصویر دیکھی ہے ۔ ؟"

" نہیں ۔ تصویر بھی نہیں دیکھی ۔"

"تو کیا کسی سے اس کا ذکر سُنا ہے۔؟"

"نہیں۔ ذکر بھی نہیں سُنا۔"

وہ چلتے چلتے رُک گئی۔ دونوں کولہوں پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ "تو پھر تم کیسے جانتے ہو کہ وہ ایک عورت ہے اور ادھر ہی کو گئی ہے۔"

میں نے کہا۔ "اس وقت تم زیادہ مت پوچھو۔ وہ ادھر ہی کو گئی ہے جدھر سے تم مجھے مندر کی جانب لے کے آئی تھیں۔ وہی راستہ صاف ستھرا اور اچھا ہے۔ وہ اسی راستے سے گئی ہوگی۔ وہ راستہ نیچے بازار کو جاتا ہے۔"

وہ چُپ ہوگئی۔ ہم دونوں ساتھ ساتھ قدم سے قدم ملا کے چلتے رہے۔ کوئی آدھے گھنٹے کے بعد اس کنج کے قریب آن پہنچے۔ اس پتھر کی چٹان کے قریب جہاں سے رابرٹ ہیل نے مجھے دھکا دیا تھا۔

چٹان پر اُگی ہوئی گھاس مجھے مسکی ہوئی دکھائی دی۔

"کوئی یہاں آیا تھا۔ بیٹھا بھی تھا۔"

ایکا ایک میری نگاہ چٹان کے نیچے کاغذ کے ایک ٹکڑے پر گئی۔ میں نے جُھک کر اُسے اٹھا لیا۔ چاکلیٹ کا ایک کارٹن تھا۔ قرمزی رنگ کا۔ میرے ہاتھ میں سرسرانے لگا۔

"یہاں بیٹھ کر اُس نے چاکلیٹ کھایا ہوگا۔ غالباً کسی کا انتظار کیا ہوگا ورنہ یہاں بیٹھنے کی ضرورت کیا تھی۔" میں نے اپنے آپ سے کہا۔

"چاکلیٹ کیا ہوتا ہے۔؟" لکشمی نے پوچھا۔

میں نے کہا۔ "جب میرے ساتھ نینی تال چلوگی تو بتا دوں گا۔"

وہ چُپ ہوگئی۔

میں نے اس سے کہا۔ "تم یہیں اطمینان سے بیٹھی رہو۔ خاموشی سے میں

ج کے اندر دیکھ کر آتا ہوں۔"

"نہیں"۔ وہ مضبوطی سے سر ہلا کر بولی۔" اب میں تمہیں کہیں بھی اکیلا جانے دوں گی"۔ کنج میں کوئی خطرہ بھی ہو سکتا ہے ـــــ تو خطرے کا سامنا آپ سے پہلے میں کروں گی۔"

"وہ کیوں ـ ؟"

"تم میرے مالک جو ٹھہرے۔"

"آج کل ایسے غلام کہاں ملتے ہیں۔؟" میں نے مسکرا کر آہستہ سے کہا۔ وہ میرے قریب آگئی۔ میں نے اُسے چوم لیا۔ حالانکہ کوئی موقع نہ تھا۔ مگر مجھے اس کی یہ ادا پسند آئی۔ اور کچھ یہ بھی خیال تھا کہ شکار ہاتھ سے نکل چکا ہے۔

کنج کے اندر جا کر میں نے گھاس کے قطعہ کو چاروں طرف سے دیکھا۔ پھر ادھر اُدھر گھاس کے قطعے کے مرکز میں چاروں طرف گھوما۔

ایکا ایک میرے نتھنوں میں ایک عجیب سی بُو آئی۔

پٹرول کی بُو۔ ہائی آکٹین ...... کی بُو ـــــ چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔

میں نے درختوں سے اوپر دور اوپر آسمان کی طرف دیکھا۔ آسمان شفاف اور ستھرا، چاندنی بُراق دودھ میں دُھلی ہوئی۔ میں نے سر نیچا کر لیا۔ میرے نتھنوں میں پھر وہی بُو آئی۔ میں سر نیچا کئے غور سے گھاس کے قطعے کو جگہ جگہ سے دیکھنے لگا۔ ایک جگہ پر مجھے وہ نشانات مل گئے جن کی مجھے تلاش تھی۔ دبی دبی گھاس یہاں پر خم تھی اور گیلی مٹی میں پہیوں کے نشان تھے۔

"کیا رات بھر اسی کنج میں چکر لگاتے رہو گے۔؟" لکشمی اکتا کر بولی۔

"نہیں اب چلتے ہیں"۔ میں نے سر ہلا کر کہا۔

"کہاں چلنا ہے۔ نیچے بازار کی طرف ....؟"

"نہیں واپس تمہارے گھر۔ وہ لڑکی تو اب دور جا چکی ہے۔ میں اُسے پکڑ نہیں سکتا۔"

لکشمی کے چہرے پر گہرے سکون، اطمینان اور بشاشت کی لہریں دوڑ گئیں۔ اس کا چہرہ کھل اٹھا۔ میرا گال چوم کر بولی۔

"دفع کرو سالی کو۔ چلو گھر چل کے آرام سے سوئیں۔ ایک دوسرے کے ساتھ لگ کر۔ مجھے سردی محسوس ہو رہی ہے۔" وہ میری طرف گہری نظروں سے دیکھ کر بولی۔

ننگے، ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے، ایک دوسرے سے پیار کرتے ہوئے، باہوں میں باہیں، ہونٹ، گال، زبان چومتے ہوئے۔ آنکھوں کی پلکیں، کانوں کی لویں، گردن کا خم چومتے ہوئے، ایک دوسرے سے ہم آغوش، وصل میں مدہوش ―― دروازہ بھی تو بند کرنا یاد نہ رہا تھا۔ چاندنی بے دھڑک اندر چلی آ رہی تھی۔ وصل کے بعد میں نے اُسے اپنے سے الگ کر کے اس کا بدن دیکھا ―― چاندنی میں نہایا ہوا بدن۔ انگ انگ سے جوانی پھوٹ رہی تھی اور مسلے ہوئے بال کولہوں سے بھی نیچے پھیل گئے تھے۔ پورا جسم لگتا تھا بلور کا بنا ہے۔

میں نے کہا۔ "تم بہت سُندر ہو۔"

وہ بولی۔ "اور تم بالکل کھالو لگتے ہو۔ میرے کھالو ―"

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی اور پھر میری باہوں میں آگئی۔

مجھے اب ہوش آیا۔ میں نے کہا ― "دروازہ تو بند کر لیں۔"

"نہیں کھلا رہنے دو۔" وہ بولی۔ "اندھیرے میں کچھ دکھائی نہیں دیتا۔"

"کیا دیکھنا چاہتی ہو ―؟"

تم کو۔ جیسے تم ہو۔ جیسے میں ہوں۔" وہ شرما گئی۔
میں نے پوچھا ــــ "تم ریشم کی طرح ملائم کیوں ہو۔؟" میں نے ایک انگلی کے
سے اس کی گردن کے خم کو چھیڑا ــــ "اور بالائی کی طرح نرم ــــ"
میرے ہاتھ اس کے سینے پر جلنے لگے۔
اور چاندنی کی طرح پگھلتی ہوئی۔
اب میری انگلیاں اس کے پیٹ کے جوف کو تلاش کر رہی تھیں۔ اس کی
زور زور سے چلنے لگی۔ وہ زور سے لپٹنے لگی ــ جیسے میرے اندر پگھل جانا چاہتی ہو
میں نے اُس کے نچلے ہونٹ کو ذرا سا کاٹ کر کہا۔ "تمہارے ہونٹ کھائے
کے لئے بنے ہیں۔ شہد کی ٹکڑیاں۔"

اوں۔"
اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ فرطِ جذبات سے وہ مدہوش سی ہونے لگی
میں نے کہا۔ "میں کل نینی تال جاؤں گا۔"
اس کا پگھلتا ہوا جسم میری بانہوں میں منجمد ہوتا گیا۔ سانس جو لمبے لمبے ڈوروں میں
تھی اکا اک ایک لمحے کے لئے ایک دھچکے سے رُکی۔ پھر تیز تیز چلنے لگی۔
اپنی آنکھیں کھول دیں۔ اب ان آنکھوں میں مدہوشی نہ تھی۔ ایک عجیب
دوسرا اس کی کیفیت آ چلی تھی۔ چاندنی میں نہایا ہوا اس کا بدن پھیکا پڑنے لگا۔
لہریں ساحل سے ٹکرا رہی تھیں اکا اک دور جاتی ہوئی معلوم ہوئیں۔ پھر
خالی ریت رہ گئی۔
اس نے گلوگیر لہجے میں کہا ــــ "کتنے دن کے لئے۔؟"
"کچھ نہیں سکتا۔"
چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولی۔ "میں بھی چلوں گی۔"

"تم کیا کرو گی جاکر — ؟"

"اور تم کیا کرو گے جاکر — ؟"

"مجھے کچھ ضروری کام ہے۔"

"نہیں — میں تمہیں جانے نہیں دوں گی۔ پولیس والے تمہیں پکڑ لیں گے

سارا بدن ہوا کی زد پر آئے ہوئے پتے کی طرح کانپا۔

"مجھے ایک ضروری کام سے جانا ہی ہوگا۔ رہا پولیس کا ڈر۔ تو اس کا

نہیں ہے۔"

"کیسے خطرہ نہیں ہے — ؟"

"میں احتیاط کر لوں گا۔"

"جگہ جگہ تمہاری تصویر کے اشتہار لگے ہیں۔ تم بچ نہیں سکتے۔ یہیں

گھر میں — میرے مالک۔"

"یہاں تمہارا باپ مجھے پولیس کے حوالے کر دے گا۔"

وہ لاجواب ہو گئی۔

چند لمحے خاموش رہنے کے بعد بولی — "یہ ٹھیک کہتے ہو تم۔ مجھے

ڈر لگتا ہے۔ اس کی آنکھوں میں لالچ دیکھتی ہوں۔ مگر — میں تمہارے

تمہارے ساتھ ساتھ جیوں گی۔ تمہارے ساتھ ساتھ مروں گی۔"

اس کی آنکھوں میں آنسو آنے لگے۔

میں نے پوچھا — "اس سے پہلے تم کبھی نیلی تال گئی ہو — ؟"

"ہاں کئی دفعہ گئی ہوں — لکڑیوں کا بوجھ لے کر۔"

"کسی کے گھر بھی رہو — ؟"

"ہاں۔ وہاں میری موسی کی بہن رہتی ہے۔ اس کا گھر والا کسی بڑے

ی رسوئی سنبھالتا ہے۔ میں وہاں رہ سکتی ہوں۔"

"تو ٹھیک ہے۔" میں نے اس سے کہا۔ "تم وہاں رُک جانا۔ مگر میں تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے۔ تم رہو گے تو میری موسی کی بہن بھی پوچھے گی یہ کون ہے۔ تم کس جگہ رہو گے۔؟"

"یہ میں تمہیں نینی تال پہنچ کر بتاؤں گا۔"

"تو کل صبح ہی چل دیں گے۔؟"

"صبح تو نہیں جا سکتے۔ مجھے کل شام میں کسی سے ملنا ہے۔ جنگل میں۔"

"اسی کنج میں۔؟" لکشمی نے چل کر پوچھا۔ "کسی دوسری استری کے ساتھ۔؟"

اس کی آواز میں بڑی تلخی تھی

میں نے کہا۔ "نہیں وہ کوئی عورت نہیں ہے۔ ایک مرد ہے۔"

"مجھے کیسے یقین آئے۔"

"مجھ پر یقین کرو۔"

"تو شام کو چلیں گے نینی تال۔ میں ساری تیاری کر لوں گی۔"

"ہاں۔"

وہ بہت دیر تک چُپ رہی۔ جیسے کچھ سوچ رہی ہو۔ پھر آہستہ سے رُک رُک کر بولی۔

"پر میرا خیال تو یہ ہے کہ کل صبح ہی یہاں سے چل دینا چاہیئے۔ میں صبح اٹھتے ہی سفر کے لئے کھانا بنا لوں گی اور جونہی بابو کھیتوں میں جائیں گے یا بازار میں گئے۔ ہم دونوں یہاں سے چل دیں گے۔"

"باپو کو نہیں بتاؤگی۔؟"

"بتاؤں گی تو انہیں شبہ ہو جائے گا کہ یہ دونوں نکل بھاگنا چاہتے ہیں میرا کچھ ایسا بھی خیال ہے کہ کل صبح وہ نیچے بازار جا کر پولیس کو بلا لائیں گے اور ہم گرفتار کرا دیں گے۔ اس لئے کل صبح یہاں سے نکل چلنا ہی اچھا رہے گا۔"

"اچھا ہے۔" میں نے اس کی عقلمندی کی دل ہی دل میں داد دیتے ہوئے کہا۔ "کل صبح ہی گھر سے نکل چلیں گے۔ باپو کے جانے کے بعد اور دن بھر جنگل میں گھومیں گے۔ تم کھانا تیار کر لینا۔ ہم لوگ دن بھر جنگل میں پکنک منائیں"

"پکنک کیا ہوتی ہے۔؟"

میں زور سے ہنسا۔

"یہ کل بتاؤں گا۔ جنگل میں . . . ." میں نے اُسے گہری نظروں سے دیکھا اس نے میرا مطلب سمجھ کر خوشی سے اپنا چہرہ میری باہوں میں چھپا لیا۔

میں نے کہا۔ "تمہیں اس سے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ کل شام میں جس سے ملاقات کرنے والا ہوں۔ وہ کوئی عورت نہیں ہے۔ مرد ہے۔"

"کیا تم نے اسے شام کا وقت دے رکھا ہے۔" لکشمی نے پوچھا۔

میں نے سوچتے ہوئے دھیرے سے کہا۔ "نہیں لکشمی۔ جس آدمی کو میں نے شام کا وقت دیا تھا۔ وہ تو اب نہیں آئے گا، لیکن اس کی جگہ کوئی دوسرا ضرور آئے گا۔"

دوسرے دن علی الصبح ہم دونوں گھر سے نکل گئے۔ لکشمی کا باپ ابھی سو رہا تھا۔
سحر نمودار بھی نہ ہوا تھا۔ ہوا میں ایک عجیب تازگی اور خنکی سی تھی اور لکشمی کے
پھولوں کی طرح کھلے ہوئے تھے۔ نگاہوں میں شوخی اور بے تابی جھلکتی تھی ۔۔۔
نینی تال جانے کی خوشی میں۔ شاید میرے ساتھ جانے کی خوشی میں۔
صبح کا کھانا تیار کر کے ساتھ لے جانے کی اسکیم ہم نے رد کر دی تھی۔ ورنہ لکشمی
باپ کو شبہ ہو جاتا۔ اس لئے اس کے جاگنے سے پہلے ہی ہم رخصت ہو لئے۔
نے البتہ مویشی خانے سے دودھ کی ایک مٹکی دودھ کر بھر لی۔ اب راستے میں اسی
پیٹ بھر لیا جائے گا۔
مگر دوپہر سے پہلے ہی ہم دونوں کی بھوک چمک اٹھی، اس لئے جنگل کا راستہ
ہم نے مغرب کا رُخ کیا۔ اور ایک پہاڑی گاؤں کے اکیلے سے گھر میں ایک
کو ایک روپیہ ادا کر کے اس کے ہاں کھانا کھایا۔ بڑھیا نے ہم دونوں کو میاں
سمجھا۔ اور پوچھنے پر لکشمی نے بتایا بھی یہی۔ بتاتے وقت وہ پھر کھل پڑتی تھی۔
سہ پہر تک ہم نے اسی گاؤں میں آرام کیا۔ بڑھیا کے گھر سے پھر وہاں سے
ہوئے اور گھاٹی چڑھ کر واپس جنگل میں آ گئے اور سر شام اس کنج کے قریب
گئے۔ میں نے لکشمی کو کنج سے ذرا دور مگر ایسی جگہ پر بٹھایا جہاں سے وہ مجھے
طرح سے دیکھ سکتی تھی۔
اُسے وہاں بٹھا کے میں کنج کے دامن میں چلا گیا۔ پہلے تو ٹہلتا رہا۔ پھر اسی چٹان
گیا اور انتظار کرنے لگا۔
کوئی ایک گھنٹے کے بعد نیلو اس کنج میں نمودار ہوا۔ میرا قیاس درست نکلا۔ میں
اس کے بارے میں سوچ رکھا تھا کہ قاعدے سے اسی کو آنا چاہیئے۔ آدمی بہت

خطرناک تھا، مگر میرے حق میں یہ بات جاتی تھی کہ مجھے معلوم تھا کہ رابرٹ ہیل کا قتل ہو چکا ہے اور وہ نہیں جانتا کہ میں اس امر کو جانتا ہوں۔

نیلو کو دیکھ کر میں نے حیرت سے کہا ۔۔۔ "رابرٹ ہیل نے تو خود آنے کا وعدہ کیا تھا۔ میں اسی کا انتظار کر رہا تھا۔"

"اُسے ایک ضروری کام پڑ گیا۔" نیلو دلجمعی سے بولا ۔۔۔ "اس لیے وہ نہیں آسکا۔"

"تو پھر۔۔؟" میں نے قدرے مایوسی ظاہر کی۔

"اس نے مجھے سب سمجھا دیا ہے۔ میں تمہارے ساتھ نینی تال چلنے کو تیار ہوں" نیلو بولا ۔۔۔ "اور نینی تال سے رانی کھیت۔ جہاں تم نے وہ نیلی آنکھ چھپا کے رکھی ہے۔"

"مجھے کیسے یقین آئے کہ تم ہی رابرٹ ہیل کے بھیجے ہوئے آدمی ہو۔۔؟" میں نے ذرا ٹوہ لینے کی خاطر پوچھا۔ حالانکہ در پردہ میں فیصلہ کر چکا تھا کہ اُسے ساتھ لے جاؤں گا۔

"اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ رابرٹ ہیل سے جو گفتگو اکیلے میں تم نے کی تھی میں جانتا ہوں۔ مجھے رابرٹ ہیل نے سب بتا دیا ہے۔ اگر چاہو تو میں اُسے دہرا سکتا ہوں۔"

میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

نیلو بکتا چلا گیا اور رابرٹ ہیل کے درمیان جو گفتگو ہوئی تھی اُسے حرف بہ حرف دہرا دیا۔ اس سے مجھے مکمل یقین ہو گیا کہ ہماری گفتگو کے درمیان وہ پیچھے چھپ کر ہماری گفتگو سنتا رہا ہے اور ہیل کا قاتل بھی وہی ہے۔

میں نے کہا ۔۔۔ "پولیس میرے پیچھے ہے۔ ہم دونوں کا اکٹھے جانا خطرناک ہے"

"یہ میں سمجھتا ہوں۔" نیلو نے جواب دیا۔

"جو ایجنٹ غدار نکل آتا ہے اس کی سزا موت ہوتی ہے۔ شاید تم یہ بھی جانتے ہو۔" میں نے کہا۔

وہیں جانتا ہوں " نیلو بولا۔ " اب تمہاری واپسی کی راہیں بند ہو چکی ہیں۔ تمہارے
سوا اور کوئی چارہ نہیں کہ تم ہمارے گینگ میں شامل ہو جاؤ۔"
ایک مہرہ اب بھی میرے پاس ہے۔ سب سے بڑا مہرہ۔" میں نے اُس کو
وہ نینی دیوی کی نیلمی آنکھ..... جب تک میں اسے تمہیں نہ دے دوں
دسترس سے باہر ہوں۔"
نیس لاکھ پر تمہارا سودا ہوا تھا۔ وہ مجھے — رابرٹ ہیل کو منظور ہے۔
ہیں وہ نیلمی آنکھ تمہارے حوالے کر دوں گا میرے پاس کچھ نہیں رہ جاتا ہے۔
آسانی سے مجھے روپیہ دینے سے انکار کر سکتے ہو بلکہ مجھے ٹھکانے بھی لگا
"
نیلو کے چہرے پر بے رنگ پتلیاں کانپیں۔ پھر وہ دھیرے...... سے
باریک لبوں پر ایک مسکراہٹ لایا۔ اس مسکراہٹ کو لانے میں اُسے کیسی
ی ہوگی۔ میں سمجھ رہا تھا۔ نیلو نے بڑی رمانیت سے کہا۔
یہ کہ ہم تم پر مکمل بھروسہ کرتے ہیں۔ تمہیں نینی تال پہنچ کر معلوم ہو جائے گا۔
پہنچ کر تمہیں دس لاکھ روپے کے ڈرافٹ ایڈوانس دے دوں گا۔ باقی
وقت چکا دی جائے گی جس وقت وہ نیلمی آنکھ تم میرے حوالے کر دو گے۔"
مجھے منظور ہے۔"
اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ ہم دونوں نے مضبوط مصافحہ کیا۔ اس کے
میں فولاد کی سی مضبوطی تھی۔
پھر نیلو نے پوچھا۔ " اگر ہم دونوں الگ الگ جائیں گے تو نینی تال میں کہاں
ـــ؟"
" ہوٹل میٹروپول۔" میں نے کہا۔

وہ بولا "میرے خیال میں مسٹر ڈیپول ہوٹل سے نا تھ کلب بہتر رہے گا۔
کمرے میں دروازے ہیں۔ ایک سامنے کو کھلتا ہے۔ دوسرا پیچھے کو۔ باتھ
سے باہر لکڑی کی ایک گیلری میں جاتا ہے۔"

"ٹھیک ہے وہیں آکر تم سے ملوں گا۔"

"کمرہ نمبر سات یاد رکھنا۔ آج کے ڈنر کے بعد کمرہ نمبر سات میں۔"

"یہ تو ناممکن ہے۔" میں نے اس سے کہا۔ "آج رات تک تو میں
مشکل سے پہنچ سکوں گا۔ کیوں کہ پیدل جا رہا ہوں۔ بس میں جانا خطرے سے
نہیں ہے۔ بھیس بھی بدلنا ہو گا۔ کیوں کہ پولیس چاروں طرف مجھے ڈھونڈ ر
مگر کل لنچ کے بعد تم سے ہوٹل نارتھ کلب میں کمرہ نمبر سات میں آکر ملتا ہوں

"ٹھیک ہے۔" نیلو نے مجھ سے ہاتھ ملایا اور بولا۔ "مگر میں تو آج ہی
جاتا ہوں۔ تمہارے ایڈوانس کا انتظام کر کے رکھتا ہوں۔"

اس نے پھر بڑی مضبوطی سے مصافحہ کیا اور واپس مندر کی طرف چلا
میرے لئے بھی اب اس جگہ پر مزید ٹھہرنا بے کار تھا اور مندر کے اند
مزید کچھ معلوم کرنے کی خواہش بھی خطرے سے خالی نہیں تھی۔ اب نینی تال
دینا چاہیئے۔۔

صبح بالو نے جس دم مجھے اور لکشمی کو غائب پایا ہو گا اس نے اسی وقت
پولیس میں رپورٹ کر دی ہو گی۔ میرے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ پولیس کے ہاتھ
لگوں۔ اس لئے میں نے بھیس بدلنے کی ترکیب بھی سوچ لی تھی اور یہ ترکیب لک
نے مجھے بتائی تھی۔ لکشمی اب بہت سمجھدار ہوتی جا رہی تھی۔ صبح دم نکلنے
پہلے میں نے اپنے بالو کا ایک دیہاتی ڈریس چھوٹی سی پوٹلی میں باندھ لیا تھا۔
نیلو کے جانے کے بعد میں نے اسی ڈریس کو پہن لیا۔ صبح کے دو ڈھائی

ہم نے سوکھی لکڑیاں جنگل سے جمع کرنے میں صرف کئے تھے اور ایک جگہ پر ان لکڑیوں کے دو گٹھے جنگل میں چھپا کے رکھ دیئے تھے۔

اب ہم دونوں دیہاتی معلوم ہو رہے تھے۔ جب لکڑیوں کا گٹھا میں نے اٹھا لیا تو کوئی میرا چہرہ بھی نہ دیکھ سکتا تھا۔ میرے پیچھے پیچھے، کبھی ساتھ ساتھ کبھی آگے لکشمی لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے چل رہی تھی اور ہم دونوں نینی تال کی سڑک پر جا رہے تھے۔

راستے میں بہت سے پولیس کے سپاہی ملے، مگر کسی نے ہم سے کچھ نہیں کہا۔ پھر دور ایک جگہ ہم نے موٹر روڈ چھوڑ کے جنگل کی گھاٹیوں کا راستہ پکڑ لیا اور گھاٹی گھاٹی چلتے ہوئے ہم دونوں لکشمی کی موسی کی بہن کے گھر پہنچ گئے۔

وہاں پہنچ کر کچھ دیر سستا لیا۔ چائے پی۔ لکشمی نے بتایا کہ اس کی شادی کی بات چیت مجھ سے چل رہی ہے۔ باپو چلا رہے ہیں۔ اس لڑکے کو کسی کام سے نینی تال آنا تھا اور مجھے تمہیں دیکھنے آنا تھا اس لئے اکھٹے آ گئے۔

اس کی موسی کی بہن نے مجھے غور سے دیکھا اور غالباً پسند کر لیا۔ چائے پی کر میں نے لکڑی کا گٹھا سر پر اٹھا لیا اور لکشمی سے بولا ــــ "میں کل آ کے تم سے ملوں گا۔"

"رات کو کہاں رہو گے ـ ؟" لکشمی نے پوچھا۔ "یہیں رہ جاؤ نا!"

"نہیں" میں نے کہا۔ "جو لوگ مجھ سے لکڑی لیتے ہیں انہیں کے بنگلے کے ایک کوارٹر میں مجھے رات کو سونے کے لئے جگہ مل جائے گی۔ جب تک تمہاری میری شادی نہ ہو جائے ہم دونوں کا ایک ہی گھر میں رہنا ٹھیک نہیں ہے۔"

موسی کی بہن نے سر ہلا کے کہا ــ "لڑکا سچ کہتا ہے۔ بہت شریف ہے۔"

اپنی شرافت کا رعب جما کر میں لکڑی کا گٹھا اٹھا کر وہاں سے چل دیا۔ جھیل کے کنارے کنارے چلتا ہوا۔ نینی دیوی کے چھوٹے مندر کے قریب سے گزرتا ہوا،

گھوڑوں کے راستے سے گزرتا ہوا میٹرو پول ہوٹل کے قریب سے چڑھائی چڑھ کر راک کاسل نام کے بنگلے میں پہنچ گیا۔ لمبی سلاخوں کا آہنی دروازہ کھول کر سیدھے بنگلے کے پورٹیکو میں چلا گیا۔ سر پر لکڑی کا گٹھا اٹھائے ہوئے۔

پورٹیکو سے ملحق برامدے میں ایک بیرہ میز پر سے چائے کے برتن اٹھا رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔

"لکڑیاں لایا ہوں۔"

"کیا لو گے۔؟"

"دس روپے۔"

"پاگل ہوئے ہو لکڑی کے اس گٹھے کے دس روپے کون دے گا۔ زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ دو روپے مل جائیں گے۔"

"میں دس روپے لوں گا۔" میں نے کہا۔

وہ جزبز ہوتے ہوئے بولا۔ "تم مجھے کوئی سرپھری سودائی معلوم ہوتے ہو۔ لکڑی کے اس گٹھے کے تمہیں دس روپے کوئی نہیں دے گا۔"

"مگر میں تو لوں گا۔"

"تو جہاں مل جائیں وہیں جا کر سودا کر لو۔"

"مگر میں تو تمہیں سے لوں گا۔" میں نے اس سے کہا۔

"عجیب باؤلے سے پالا پڑا ہے۔" بیرہ بولا۔ پھر میری طرف قہر بھری نظروں سے دیکھ کر کہنے لگا۔ "جانتے ہو کہ چوکیدار کو بلوا کر دھکے دے کر نکلوا دوں۔؟"

میں نے کہا۔ "مجھ سے کنور صاحب نے کہا تھا دس روپے ایک گٹھے کے دیں گے۔ اگر جھوٹ سمجھو تو آمنا سامنا کرا دو۔"

"کنور صاحب نے کہا تھا۔؟" بیرا حیرت سے بولا۔

"ہاں۔"

"میں جا کے پوچھتا ہوں۔ تم سے خود کہا تھا۔؟"

"ہاں مجھ سے خود کہا تھا۔"

بیرہ اندر گیا۔ چند منٹ کے بعد کنور امر راج سنگھ برامدے سے برامد ہوئے۔ ہاتھ میں اوہسکی کا جام تھا۔ میری طرف دیکھ کر غصے سے چلا کر بولے۔

"کیوں بے لکڑہارے۔ ہم نے کب کہا تھا کہ ۔۔۔"

مگر میں نے ان کا فقرہ پورا نہیں ہونے دیا اس سے پہلے ہی لکڑی کے گٹھے کو پورٹیکو میں گرا کر چپ چاپ اپنے دیہاتی لباس میں ان کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

پہلے چند لمحے تو وہ آنکھیں جھپکا کر مجھے حیرت سے دیکھتے رہے۔ حیرت اور غصے سے۔ لیکن جب پہچان لیا تو لہجہ بدل کر بیرے سے بولے۔

"ارے یہ تو وہ ہے۔"

"وہ کون صاحب۔؟" بیرے نے پوچھا۔

"یہ پہاڑی گیت بہت اچھا گاتا ہے۔ یہ لکڑہارا۔ ہاں ہم نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ اگر ہمارے بنگلے میں لکڑیاں لائے گا اور گیت سنائے گا تو دس روپے دیں گے۔"

بیرہ مشکوک نگاہوں سے میری طرف دیکھتا رہ گیا۔

"تم ایسا کرو۔" کنور امر راج سنگھ بولے۔ "اس سے یہ لکڑیوں کا گٹھا لے کر اسے دس روپے دے دو۔ اور رات بھر کے لئے کسی سرونٹ کوارٹر میں جگہ دے دو۔ تھوڑی دیر کے بعد اسے میرے پاس بھیجو۔ اور رامو سے کہو ہمارے بیڈ روم میں ٹیپ ریکارڈ رکھ دے۔ ہم اس کا گانا ٹیپ ریکارڈ

کریں گے۔"

رات کو میں کنور امر راج سنگھ کے بیڈ روم میں تھا۔ کنور نے مجھے رات کے لیئے اپنے شب خوابی کے کپڑے دے دیئے تھے۔ باتھ روم میں اچھی طرح سے نہا دھو کر صاف ستھرے کپڑے پہن کر میں پھر انسان بن گیا۔ اب میرے ہاتھ میں وہسکی کا جام تھا۔ اور ہم دونوں بڑی دلچسپی سے گفتگو کرنے لگے۔

"تو چال کامیاب رہی۔؟" کنور امر راج سنگھ نے پوچھا

"ہاں گینگ والوں نے بلکہ عدنو یہ ہے کہ لوکل پولیس والوں نے بھی یہی سمجھا کہ میں عدالت سے انسپکٹر پولیس پہ گولی چلا کے بھاگا ہوں۔ جب سے وہ برابر میری تلاش میں ہے۔"

"یہ تلاش ابھی کچھ روز اور جاری رہے گی۔ مگر ظاہری طریقے سے پولیس کے افسروں کو ہدایت ہے کہ تمہیں نہ پکڑیں۔"

"اور مجسٹریٹ۔؟"

"مجسٹریٹ جوالا سہائے کو ہم نے پہلے ہی سے اس راز میں شریک کر لیا تھا۔"

"اور وہ زخمی پولیس انسپکٹر۔؟" میں نے پوچھا۔

"خالی کارتوس تھا۔ اُس کے ہاتھ پر زیادہ چوٹ نہیں آئی۔ مگر ہم نے اُسے ابھی تک ہسپتال ہی میں رکھا ہے۔"

"بہت خوب۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"اب تم بتاؤ ـــــ تم نے کیا تیر مارا ـــــ" کنور امر راج سنگھ قدرے طنز آمیز لہجے میں بولا۔

میں نے کہا۔ "میں ہیمنت سنگھ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ تمہارے سامنے

بات کروں گا۔ تو ساری تفصیل تمہارے سامنے آجائے گی۔"

"اوکے۔" کہہ کر کنور امر راج سنگھ نے ٹیپ ریکارڈ کھولا۔ جو دراصل خفیہ وائرلیس ٹرانسمیٹر تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد اُدھر سے ہیمنت سنگھ کی آواز آئی۔

"ہیلو غدار۔"

"ہیلو باس۔"

ہیمنت سنگھ نے ہنس کر پوچھا۔" چال کامیاب رہی۔؟"

"سو فی صدی باس۔"

"کس طرح۔؟"

میں نے کہا۔" میرا بھری عدالت میں گولی چلانا، پولیس کے اشتہار میں مفرور کو پکڑنے کے لئے پانچ ہزار کا انعام، پولیس کا چاروں طرف گھیرا، میرا بھاگ جانا، سب نے مل کر مجھے ان کی نظروں میں قابلِ اعتماد بنا دیا ہے۔ دشمنوں سے میرا رابطہ قائم ہو چکا ہے۔ اس گینگ کے دو ہیڈ کوارٹر ہیں۔ ایک تو نینی تال کے قریب جنگل میں جس کا ہمیں بالکل پتہ نہ تھا اور جس کا پتہ بالکل اتفاقیہ معلوم ہوا۔"

"تفصیل بتاؤ۔"

میں نے پوری تفصیل سے سب واقعات بیان کئے۔

سب واقعات سن کر ہیمنت سنگھ نے کہا۔" اب تم نیلو کے ساتھ رانی کھیت جاؤ گے۔؟"

"کس کے ساتھ جاؤں گا۔ یہ تو کہہ نہیں سکتا۔ کیونکہ رابرٹ ہیل نے مجھے جو کوڈ ورڈ دیا ہے اس کوڈ ورڈ کو جاننے والا آدمی ضرور نیلو کے علاوہ کوئی دوسرا ہے۔ وہ خود مجھے نینی تال میں ملے گا۔ اس سے ملاقات کرنا بھی ضروری ہے۔ ممکن ہے

اس سے مزید راز معلوم ہوں؟

"نیلو سے بچ کر رہنا۔ بہت خطرناک آدمی ہے۔"

"مگر باس مجھے تو نیلو سے بھی خطرناک وہ آدمی معلوم ہوتا ہے جس نے نیلو کو بھی جل دے دیا اور نیلمی آنکھ لے اُڑا۔"

ہیمنت سنگھ کچھ عرصے تک چپ رہا۔ پھر بولا۔ "ہو سکتا ہے ایک کے بجائے دو گینگ کام کر رہے ہوں۔"

"ممکن ہے۔ یا اسی گینگ کے دو حصے ہو گئے ہوں۔" میں نے کہا۔

"رابرٹ ہیلی کی موت کے بعد یہ معاملہ دلچسپ ہوتا جا رہا ہے۔" ہیمنت سنگھ نے ادھر سے کافی دیر خاموش رہنے کے بعد کہا۔ پھر پوچھا۔ "تمہارا کیا خیال ہے یہ لوگ مندر سے پتھر کے اتنے بھاری بتوں کو کیسے لے جاتے ہوں گے ــــ؟"

"میں نے غور کیا ہے باس اسی جنگل میں چند ڈھلوانیں ایسی ہیں جن پر با آسانی جیپ چل سکتی ہے۔" پھر میں نے ہیمنت سنگھ کو اس جنگلی کنج کے بارے میں بتایا جہاں مجھے پٹرول کی بو آئی تھی اور ربر کے پہیوں کے نشان تھے۔

"ہو سکتا ہے ــ تمہارا اندازہ ٹھیک بھی ہو سکتا ہے۔ غلط بھی۔" ہیمنت سنگھ بولا ــ "وہ لوگ لکڑی کے کھوکھوں میں بت بند کر کے پہلے جیپ بعد میں لاری کے ذریعے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔" ہیمنت سنگھ چپ ہو گیا۔

پھر اس نے پوچھا ــــ "نہیں کوئی شبہ تو نہیں ہے۔"

"اس کی فی الحال کوئی گنجائش نہیں ہے۔ میں بے حد احتیاط سے چل رہا ہوں۔"

ہیمنت سنگھ بولا ــ "تمہاری مدد کے لئے کنور امر راج سنگھ موجود ہیں۔ وہ تم سے رانی کھیت میں ملیں گے، لیکن اگر تمہیں مزید آدمیوں کی ضرورت ہو تو رانی کھیت سے اطلاع بھجوا دینا۔"

"بہت اچھا۔"

"اور تمہارے عشق کا کیا حال ہے۔۔؟" ہیمنت سنگھ کی آواز میں مذاق کا عنصر شامل ہونے لگا۔ "سنا ہے تم نینی تال میں لکڑ ہارے کے بھیس میں ایک خوبصورت دیہاتی لڑکی کے سنگ آتے جاتے دیکھے گئے۔"

میں چونک گیا۔ ہیمنت سنگھ کا محکمۂ اطلاعات کس قدر ریختہ اور جامع تھا۔

"کیا نام ہے اس لڑکی کا۔۔؟"

"لکشمی۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

کنور امر راج سنگھ مسکرانے لگا۔

"وہ کچھ جانتی ہے۔؟"

"بس یہی کہ میں پولیس سے بھاگ رہا ہوں۔"

"دیکھو زیادہ مت الجھنا۔" ہیمنت سنگھ نے مجھے تنبیہ کی ورنہ میں مینے سے کہہ دوں گا اور وہ تمہاری تکا بوٹی کر ڈالے گی۔"

"بھگوان کے لئے۔" میں گڑگڑایا۔ "مینے سے کچھ نہ کہیئے گا۔"

"مگر تمہاری عادت نہیں جائے گی۔"

"کیا کروں باس۔ لڑکی بے حد حسین ہے۔ بھولی ہے اور ابھی تک کنواری تھی اور اب مجھ سے بے حد محبت کرتی ہے۔"

"آخری دفعہ کہے دیتا ہوں۔ زیادہ مت الجھنا۔" ہیمنت سنگھ نے کرخت لہجے میں کہا۔ اور ریسیور ٹرانسمیٹر آف ہو گیا۔

رات کو کنور امر راج سنگھ کے ہاں سویا۔ صبح ناشتے کے بعد تیار ہوا۔ مگر تیار ہونے سے پہلے سوال کپڑوں کا تھا۔ اتفاق سے کنور امر راج سنگھ کا قد اور بدن میرے قد اور بدن سے بہت کچھ ملتا جلتا تھا۔ سوائے اس کے کہ میں اس سے کچھ زیادہ ہی تگڑا اور مضبوط تھا۔ اس کے کپڑے میرے بدن پر بے حد فٹ آئے۔ مگر آج کل تنگ کپڑوں کا فیشن چل نکلا ہے، اس لئے بات بن گئی۔

ناشتے کے بعد ہم دونوں یاٹ کلب چلے گئے۔ اور بیر کا ایک ایک گلاس پیا۔ صبح میں یاٹ کلب میں بہت کم لوگ ہوتے ہیں۔ جھیل کی طرف بڑھے ہوئے برامدے کو پھر سے ٹھیک کر لیا گیا تھا۔ اور اب کے لکڑی کے بجائے لوہے کے پائے لگائے گئے تھے۔ اس برامدے میں ایک گیسو بریدہ خاتون۔ آنکھوں پر گاگل لگائے ہوئے اور گلابی براؤن رنگ کی کھلے کالر والی قمیص اور اس کے نیچے جود ھپور پہنے ہوئے ریلنگ سے لگی کھڑی جھیل کی طرف دیکھ رہی ہے۔ پہلے تو میں دل ہی دل میں اس کی پتلی کمر کے نیچے بھاری کولہوں کی گولائیوں کو سراہتا رہا۔ پھر اس کی لانبی گردن کی زیتونی رنگت اور گالوں پر ہلکے سے روز کا شائبہ ــــ وہ بید مجنوں کی شاخ کی طرح لچکتی کھڑی تھی۔ اور نہ جانے کیوں اسے دیکھ کر میرے دل میں خیال آیا کہ میں نے اسے اس سے پہلے کبھی کہیں دیکھا ہے۔

میں نے دھیرے سے کنور امر راج سنگھ کو آنکھ ماری اور اس کی میز سے اٹھ کر جام ہاتھ میں لئے ریلنگ کی طرف چلا گیا۔

وہ نازک بدن حسینہ اس وقت گاگل اتارے ایک دوربین آنکھوں پہ لگائے جھیل کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جہاں دو بادبانی کشتیاں ریس کر رہی تھیں۔

ے اور اس کے درمیان کوئی چھ سات فٹ کا فاصلہ ہوگا۔
وہ دوربین سے دیکھتے ہوئے گویا اپنے آپ سے کہنے لگی۔
" آج جھیل میں پانی بہت کم ہے "
میں چونک گیا۔ لڑکی نے کوڈ ورڈ بولا تھا۔ رابرٹ ہیل کا بنایا ہوا....
میں نے جھیل کے کنارے لگی کشتیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
"مگر کشتیاں زیادہ ہیں۔"
اس لڑکی نے آہستہ سے دوربین اپنی آنکھوں سے الگ کی۔ اپنی بڑی
ی سیاہ آنکھوں سے میری طرف دیکھا۔ ان آنکھوں میں غیر معمولی چمک اور
شش تھی۔ ایکاایک جب وہ دوربین کو قریب کی میز پر رکھنے کے لیے جھکی تو
ھے اس کا خمیدہ قوس کی طرح کھنچا ہوا طرحدار بدن دلی کے ریڈیو اسٹیشن پر
ر بنرجی کے پاؤں چھوتا ہوا نظر آیا۔ اور ایکاایک میں نے پہچان لیا کہ یہ وہی لڑکی
ں جو مسٹر بنرجی کو دوسرے بہت سے رشتہ داروں اور دوستوں کے ساتھ دلی
ٹیشن پر سواگت کرنے کے لیے آئی تھی۔
میں نے کوڈ مکمل کر دیا تھا۔ اب بولنے کی باری اس کی تھی۔
"شاید میں نے کہیں آپ کو دیکھا ہے۔؟" وہ مسکرائی۔
بعض عورتیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں دیکھ کر یہ شبہ ہوتا ہے۔ ہمیشہ یہی گمان
وتا ہے کہ انہیں اس سے پہلے کہیں دیکھا ہے، مگر دیکھا نہیں ہوتا۔
وہ ہنسی۔ اس کے بھرے بھرے رس دار ہونٹوں میں موتیوں جیسے دانت
ک گئے۔ میں سوچنے لگا۔ اس کے ہونٹ کس قدر لذیذ ہوں گے۔
کہنے لگی۔ "میں ارونا گھوش ہوں۔"
میں نے کہا۔ "وہ تو آپ کے خوبصورت تبسم کے خطرناک خدوخال سے معلوم

ہو گیا تھا کہ آپ بنگالن ہیں۔ ایسی شفاف زیتونی رنگت جس پر کبھی کبھی زعفران کا گمان گزر جائے بنگال کے سوا کہیں نہیں پائی جاتی۔"

"یہ صحیح ہے۔" وہ ایک عجیب ادا سے مسکرائی۔ "مگر ہمارے یہاں بھی خال خال ملتی ہے۔"

"مگر جہاں ملتی ہے غضب کی ہوتی ہے۔" میں نے کہا۔

وہ بولی۔ "آپ نے اپنا نام تو بتایا نہیں ہے؟"

میں نے کہا۔ "رابرٹ ہیل نے کہا تھا اپنا نام نہ بتانا۔ ویسے آپ مجھے مسٹر ایکس کہہ سکتی ہیں۔"

وہ بولی۔ "تو آیئے مسٹر ایکس کچھ دیر کے لئے میرے ٹیبل پر بیٹھ جائیے۔"

ہم دونوں ریلنگ سے لگے ہوئے ٹیبل پر بیٹھ گئے۔ میں بیر پیتا رہا۔ اس نے اپنے لئے چائے آرڈر کی۔ پھر بولی۔ "کیا یہ کل مونچھ اور ٹھوڑی پر داڑھی اصل ہے۔؟"

میں نے کہا۔ "یہ میرا میک اپ ہے۔ پولیس سے بچنے کے لئے۔"

ارونا بولی۔ "بس آج رات تک کے لئے یہ احتیاط کافی ہے۔ کل۔۔۔ وہ رک گئی۔

"ہاں کل کیا۔؟" میں نے پوچھا۔

وہ بولی۔ "کل صبح رابرٹ ہیل آجائے گا اور ہم لوگ دو گاڑیوں میں رانی کھیت چلے جائیں گے۔ جہاں ہمارے ایکشن کا اختتام ہوگا۔ پھر آپ کو وہاں سے ہی خفیہ طریقے سے ہندوستان سے باہر بھیج دیا جائے گا۔"

"نیلمی آنکھ کے ساتھ۔؟"

"نہیں آپ کی قیمت کے ساتھ۔ تیس لاکھ روپیہ چاہیئے نا آپ کو۔؟

"جس میں مجھے دس لاکھ ایڈوانس میں یہیں سے لوں گا۔"

"وہ کل رابرٹ ہیل لیتا آئے گا۔"

میں دل ہی دل میں ہنسا۔ رابرٹ ہیل کی لاش جانے اب تک کس کھڈ
[illegible] پڑی سڑ رہی ہو گی۔

پھر میرے دل میں ایک عجیب خیال آیا۔ ممکن ہے یہ لڑکی ایکٹنگ کر رہی ہو۔
[illegible]رٹ ہیل کے کمرے سے لگا ہوا دوسرا کمرہ خالی تھا۔ وہ غالباً اسی خاتون کا تھا۔
[illegible]رڈ روب میں لٹکے ہوئے کپڑے مجھے یاد آ گئے۔ ان میں ایک جو دھبوں بھرا جس
[illegible] تھی۔

یہ لڑکی کون سی نئی چال چل رہی ہے۔ ممکن ہے یہی رابرٹ ہیل کی قاتل ہو۔
[illegible] یہ رابرٹ ہیل کے نہ آنے کے لئے کوئی بہانہ بنائے گی ضرور۔ ممکن ہے اندر
[illegible] اندر اس نے نیلو بیگ کا تھا نے سے ساز باز کر رکھی ہو۔ کچھ بھی ممکن ہو سکتا ہے۔

"آج سے تم میری تحویل میں ہو۔" وہ میری طرف مسکرا کر بولی۔ "جب تک
[illegible]یلمی آنکھ تم ہمارے حوالے نہ کر دو گے تم میرے ساتھ ساتھ رہو گے۔"

"میری اس سے زیادہ خوش قسمتی اور کیا ہو سکتی ہے کہ تمہاری ایسی دلربا
[illegible]ساتھ ملے۔" میں نے کہا۔

وہ ہنس دی۔ پھر چائے پیتے ہوئے بولی۔ "آج رات تم میرے بنگلے
[illegible] سوؤ گے۔"

"تمہارے بنگلے میں۔۔۔؟"

"میرا مطلب ہے میری ایک دوست کا بنگلہ ہے۔ جہاں میں ٹھہری ہوں۔"

"کنور رانی فیروزہ ۔۔۔۔؟"

"ہوں۔۔۔؟ تمہیں کیسے معلوم ہوا۔۔۔؟"

"ایسے ہی اندازہ کر لیا۔"

"آدمی ہوشیار معلوم ہوتے ہو۔"

"رات کو اکیلا سونا پڑے گا کیا۔۔؟"

"میں تم کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتی۔" ایکا ایک اس کی نگاہیں نیچی ہوگئیں۔ آخر عورت تھی۔

"میری خوش قسمتی۔"

"بد قسمتی کہو۔ کیونکہ تمہارے ہاتھ کچھ نہ آئے گا۔"

"کیوں۔۔؟"

"کیا تم نے کبھی دو عورتوں کو ایک دوسرے سے محبت کرتے دیکھا ہے" وہ بولی۔ "قصہ یہ ہے کہ میں اور کنور رانی فیروزہ ایک دوسرے پر مرتی ہیں۔ ایک دوسرے سے شدید پیار کرتی ہیں۔ کیا تم نے دو عورتوں کو ایک دوسرے سے پیار کرتے دیکھا ہے۔۔؟"

"کیا تم نے مجھے کبھی ایک ساتھ دو عورتوں سے پیار کرتے دیکھا ہے۔" میں نے اس کی طرف لیے خوف نگاہوں سے دیکھ کر کہا۔ "آج دیکھو گی۔"

وہ اپنی کرسی سے اٹھی اور اس نے ہاتھ گھما کر ایک زور کا چانٹا میرے گال پر رسید کیا۔ حملہ اس قدر غیر متوقع تھا کہ میں چکرا گیا۔ حیرت سے اس کے منہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"مسٹر ایکس۔" وہ بڑے کڑے لہجے میں بولی۔ "میرا کام صرف اس قدر ہے کہ جب تک تم رانی کھیت نہ پہنچ جاؤ، دن رات سائے کی طرح ساتھ ساتھ لگی تمہاری نگرانی کرتی رہوں۔ میرے طور طریقے تمہارے سنگ بالکل درست اور صحیح ہوں گے۔ اور تمہارے مجھ سے۔ اس سے زیادہ ہم دونوں کو ایک

ـرے سے توقع نہ رکھنی چاہیئے۔"

"اوکے مس اروناگھوش۔" میں گال سہلاتا ہوا بولا۔

"بیر پیو۔" اس نے اشارہ کیا۔

میں نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ بیر کا گلاس پرے رکھ دیا۔ نیلو سے ملنے کا وقت ہو رہا تھا۔ میں نے میز سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "میں شام کو کنور رانی فیروزہ کے بنگلے پر آجاؤں گا۔"

"شام کو نہیں۔ ابھی چلو۔ لنچ اکٹھے کھائیں گے۔"

"جس دوست کے یہاں ٹھہرا ہوں لنچ کا وعدہ اُس سے ہے۔ پھر اپنا سامان بھی لینا ہے۔ جو کسی دوسری جگہ رکھا ہے۔ کیونکہ جیسا تم نے کہا کہ رانی ـیت پہنچ جانے کے بعد میں بالکل تمہارے گینگ میں رہوں گا اور مجھے ہندوستان سے باہر پہنچا دیا جائے گا، اس لیئے اپنا ضروری اسباب ساتھ ـے لینا ٹھیک رہے گا۔"

اروناگھوش نے دانتوں سے اپنا نچلا ہونٹ کاٹا۔ آہستہ سے بولی۔

"شاید مجھے تمہیں چانٹا نہ مارنا چاہیئے تھا، مگر میں کیا کروں۔ میں مردوں ـو دوست کی طرح تو پسند کرتی ہوں، مگر جنسی اعتبار سے مجھے صرف عورتیں ہی ـسند ہیں۔ جنسی اعتبار سے مجھے مردوں سے نفرت ہے۔ اسی نفرت کی ـوجہ سے......!"

وہ رُک گئی۔

میں نے اس کا فقرہ مکمل کیا ـــــ "تم نے مجھے چانٹا مار دیا ـــــ"

اس نے میری طرف دیکھ کے آہستہ سے سر ہلا دیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کا سایہ تھا۔ شاید وہ اپنے کیئے پر نادم تھی۔ اُس نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھ دیا۔

آہستہ سے بولی۔

"ساری ـــــ"

اس کے ہاتھ کا لمس بے حد ریشمی اور نرم اور گرم تھا۔

میں اٹھ کھڑا ہوا۔ میں نے اس سے کہا۔ "میں کنور رانی کے بنگلے پر شام کے بعد ہی پہنچوں گا۔ مگر ضرور پہنچ جاؤں گا۔"

۱۴

"وان لاؤرج جن۔ اے سلائس آف لیمن اینڈ اے ار پاٹ آف لائم۔"

نارتھ کلب ہوٹل کے بار میں نیلو اپنے لیئے جن کا آرڈر دے رہا تھا۔ جب اُس نے مجھے بار کے اندر آتے ہوئے دیکھا۔ اس نے مجھ سے بات نہیں کی۔ میں نے بھی نہیں کی۔ میں ایک ٹیبل پر بیٹھ کر بیر پینے لگا۔

جن ختم کرنے میں اس نے کوئی پندرہ بیس منٹ لیئے ہوں گے۔ اس درمیان میں اُس نے مجھ سے کسی قسم کی گفتگو نہیں کی بلکہ میری طرف نگاہ تک نہیں ڈالی۔

جن ختم کرنے کے بعد وہ اپنی سیٹ سے اٹھا اور بار کے باہر چلا گیا۔

چند منٹ کے وقفے کے بعد میں بھی اپنا گلاس ختم کر کے اٹھا اور بار کے باہر چلا گیا۔ سیڑھیاں چڑھ کر پہلی منزل میں پہنچا اور روم نمبر سات کھٹکھٹایا۔

دروازہ دھیرے سے کھل گیا۔ میں اندر گیا تو نیلو نے مسکرا کر میرا استقبال کیا۔
ے زور سے مصافحہ کیا۔ اب کے مصافحہ کرتے وقت میں بھی تیار تھا۔ اس
کچھ زور میں نے بھی رکھ دیا۔ اس نے اپنی اٹیچی کو کھولا اور اس میں دس لاکھ
پے کی مالیت کے ڈالر بل نکال کر مجھے سونپ دیئے۔

"اچھی طرح سے گن لو۔"

میں نے احتیاط سے گن لیے۔ حالانکہ گننے کی ضرورت نہیں تھی۔ مگر میں کچھ
ت چاہتا تھا اور میرا دماغ اس وقت تیزی سے کام کر رہا تھا۔

نیلو بولا۔ "اس وقت سے تم میرے ساتھ رہو گے۔ جب تک میں تم سے
لیے آنکھ نہ لے لوں اور تمہارا بقیہ چکا کے تمہیں ہندوستان سے باہر نہ بھیج دوں۔"

میں نے کہا۔ "مجھے کچھ کام ہے۔"

"کیا کام ہے۔ ؟"

"کچھ تھوڑا سا سامان لینا ہے۔"

"سامان کی اب تمہیں کیا پروا ہے۔"

"کچھ رشتے توڑنا ہیں۔"

"کوئی لڑکی ___؟" وہ مسکرایا۔

"ہاں ___"

"تو جلدی سے اس سے مل کر آجاؤ۔"

"رات کو وہیں رہوں گا ___ آخری بار ___"

"اس کام میں رومانٹک ہونا اچھا نہیں ہوتا۔ سمجھدار مرد عورت کو
ائیلٹ پیپر کی طرح استعمال کرتے ہیں۔"

"اور سمجھدار عورتیں مردوں کو بلاٹنگ پیپر کی طرح استعمال کرتی ہیں ___

میں نے کہا — "مگر میں کیا کروں میں عورت کا عاشق ہوں۔"

"نقصان اٹھاؤ گے۔" نیلو کندھے اچکا کر بولا — "تمہاری مرضی۔ کس وقت آؤ گے۔؟"

"صبح سات بجے۔"

"چھ بجے۔"

"اچھا چھ بجے۔" میں نے کہا۔

نیلو نے میرا ہاتھ زور سے پکڑ لیا۔ حیرت انگیز فولادی گرفت تھی اُس کی۔ مجھ سے کہیں زیادہ مضبوط۔ بڑے کڑے لہجے میں بولا۔ "دیکھو دھوکا نہ دینا — نیلو بیکا تھا کو آج تک کوئی دھوکہ نہیں دے سکا اور جس نے دیا اس کی ہڈیاں خاک میں مل گئیں۔ میں یاٹ کلب سے اس وقت تک کے تمہارے پروگرام سے بخوبی واقف ہوں۔ یاٹ کلب میں تم کنور امراج سنگھ سے ملے۔ پھر تم نے اپنی کمزوری دکھائی۔ اور ایک خوبصورت عورت کو چھیڑا اور اس نے تمہیں ایک جوتا رسید کیا۔ وہاں سے تم معافی مانگ کر یہاں آئے ہو۔ لیکن اگر تم نے مجھ سے دھوکا کیا تو اس کی معافی تمہیں کبھی نہیں ملے گی۔"

میں نے سارے ڈالر اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ "دوست مجھ پر اعتبار کرو جیسے میں اب تم پر اعتبار کر رہا ہوں۔ یہ دس لاکھ روپے کی مالیت کے ڈالر جو میرا ایڈوانس ہیں میں تمہارے پاس امانت رکھتا ہوں۔ کل صبح چھ بجے پہنچ جاؤں گا۔ اکٹھے رانی کھیت چلیں گے۔ وہ بیش قیمت نیلمی آنکھ تمہارے حوالے کر کے میں اپنے فرض سے سبکدوش ہو جاؤں گا۔"

کیا نیلو نے مجھے بے وقوف سمجھا — احمق — ؟ میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ لیکن اس سے اُسے مجھ پر اعتبار آگیا۔ مجھے معلوم تھا اب اُسے مجھ پر مکمل بھروسہ ہے۔

ب وہ میرا پیچھا نہ کرے گا۔

نیلو سے رخصت ہو کے میں اِدھر اُدھر چکر کاٹتا ہوا یہ دیکھتا رہا کہ کوئی میرا پیچھا تو نہیں کر رہا ہے۔ جب اس طرف سے اطمینان ہو گیا تو میں نے لکشمی کی موسی کی بہن کے گھر کا رُخ کیا۔

اس کی موسی کی بہن اور خود لکشمی بھی مجھے مغربی سوٹ پہنے ہوئے گاگل لگی مچھے اور ٹھوڑی پر داڑھی رکھے ہوئے پہچان نہ سکی۔ میں نے اس کی موسی کی بہن سے کہا۔ "لکشمی کدھر ہے۔؟" حالانکہ وہ میرے سامنے کھڑی تھی۔

"کیا بات ہے۔؟" اس کی موسی کی بہن میری طرف شبے سے دیکھتی ہوئی بولی۔

"ہمارے سرونٹ کوارٹر میں کل رات سے ایک لکڑہارا اترا ہے۔ وہ کچھ بیمار ہو گیا ہے۔ لکشمی کو بلاتا ہے۔"

دونوں میں کچھ کھسر پھسر ہوئی۔ پھر لکشمی میرے ساتھ چل دی۔ اُسے لے کر گھومتا گھومتا اِدھر اُدھر چکر کاٹتا میں اوپر کے جنگلوں میں پہنچ گیا۔ ایک خوبصورت مقام دیکھ کر میں نے اپنی گاگل اور داڑھی اتار دی۔ لکشمی ہونقوں کی طرح میری طرف دیکھنے لگی۔ چند طویل لمحوں کے سکوت کے بعد وہ مالی کے قریب آگئی۔ اس نے کوٹ کے کالر پر پیار سے ہاتھ پھیر کر بولی۔

"بابو ان کپڑوں میں بہت اچھے لگتے ہو۔ کہاں سے لئے یہ کپڑے۔؟"

"اُدھر بھی کپڑے پہنتا ہوں۔"

"اور مجھے کیسے پہناتے ہو۔" اس کے لہجے میں شکایت آنے لگی۔

"تمہیں بھی بہت عمدہ کپڑے لے دیں گے۔"

"کب ــــ؟"

"دو دن کے بعد۔"

"دو دن کے بعد کیوں ۔؟"

"میں دو دن کے لیے نینی تال سے باہر جا رہا ہوں۔"

"کہاں ــــ؟"

"زیادہ مت پوچھو۔ ایک ضروری کام سے جا رہا ہوں۔ دو یا زیادہ سے زیادہ تین دن لگ جائیں گے۔"

"میں بھی ساتھ چلوں گی۔"

"ضد مت کرو۔ تیسرے دن آ کے تمہیں لے جاؤں گا۔"

"یہی کہنے آئے تھے۔" اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

"نہیں ۔ تمہیں میرے لئے ایک ضروری کام کرنا ہوگا۔"

"تم مالک ہو ۔ میں تمہاری غلام ہوں۔"

"ایسا مت کہو۔ میں تم سے پیار کرنے لگا ہوں۔ جانے کیوں ۔؟"

اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھری ۔ بولی ۔ "کیا کام کرنا ہوگا ۔؟"

"کنور امر راج سنگھ کے بنگلے راک کاسل میں جا کے کنور جی کو خود اپنے ہاتھ سے یہ چھٹی دے دینا۔ بس اتنا ہی کام ہے۔"

"چھٹی دے کر یہاں آجاؤں ۔؟"

"نہیں ۔ چھٹی دے کر سیدھی اپنی موسی کے گھر چلی جانا ۔ تیسرے روز شام تک میں آجاؤں گا ۔ مگر میرے آنے تک ضرور رکنا۔ میرا انتظار کرنا۔"

اروند مالی نے اسے لپٹا کر پیار کر لیا۔

وہ چھٹی لے کر چلی گئی۔

اس کے جانے کے ایک گھنٹے بعد کنور اروند کے پاس جنگل میں پہنچ گیا۔ ہاتھ میں اٹیچی اٹھائے ہوئے۔ اٹیچی کھول کر اس نے اس میں سے وائرلیس ٹرانسمٹر نکالا۔ اور اروند سے مزید گفتگو کئے بغیر اس نے ہیمنت سنگھ سے سلسلۂ کلام ملادیا۔

اروند مالی نے ہیمنت سنگھ کو آج کی تفصیل بتادی۔ سب باتیں سن کر ہیمنت سنگھ بولا ـــــ "تم نیلو پیکا کے ساتھ رانی کھیت جاؤ۔"

"مگر کنور رانی فیروزہ اور اروناگھوش ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔؟" اروند مالی بولا۔ "میں نے صبح اروناگھوش سے ملنے کا وعدہ کرلیا ہے۔"

"وہ سلسلہ اتنا اہم نہیں ہے۔ اور یہ بات بھی ہے کہ دوسرے روز یعنی جب کل صبح میں وعدے کے مطابق رابرٹ ہیل نہیں آسکے گا تو اس کی غیر حاضری میں وہ کوئی فیصلہ نہیں کرسکے گی۔ دونوں لڑکیاں غیر اہم ہیں۔"

"غیر اہم ۔۔؟"

"ہاں۔ اس منزل پر ـــــ" ہیمنت سنگھ بولا۔ "دونوں غیر اہم ہوجاتی ہیں۔ کیونکہ وہ رابرٹ ہیل کی وفادار ہیں۔ وہ رابرٹ ہیل جو مرچکا ہے۔ اس کی غیر حاضری میں وہ کوئی فیصلہ نہیں کرسکتیں، لیکن نیلو کرسکتا ہے۔ کررہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہیمن کی وفات کے بعد نیلو اکیلا کام نہیں کررہا ہے۔ گینگ کے دو ٹکڑے ہوچکے ہیں۔ رابرٹ ہیل کی زندگی ہی میں دو ٹکڑے ہوچکے تھے۔ مگر ہیل کو اس کا علم نہیں تھا۔ اس لئے اس کے مخالفوں نے اسے راستے سے ہٹا دیا ـــــ"

"تو پھر ــــ؟" اروند نے پوچھا۔

"تم نیلو کے ساتھ جاؤ۔ اروناگھوش اور کنور رانی فیروزہ کی دیکھ بھال کنور امراج سنگھ کرے گا۔ اور مندر کے اسمگلروں کی گرفتاری کے لئے میں احکام

صادر کر رہا ہوں وہ لوگ وہیں گرفتار کر لیے جائیں گے۔"

اروند بولا "جب تک رانی کھیت کا ایکشن مکمل نہ ہو جائے۔ ادھر کوئی فیصلہ کن قدم نہ اٹھائیے پلیز۔ ورنہ وہ لوگ خبردار ہو جائیں گے۔"

"تم مجھے بچہ سمجھتے ہو۔" ہیمنت سنگھ کڑے لہجے میں بولا۔

"اور کیا جانا چاہو گے۔ نیلمی آنکھ کہاں دفن ہے۔؟"

"نیلی دیوی کا جو بڑا مندر ویرانے میں بنا ہے۔ وہ تم نے دیکھا ہے۔؟"

"جی ہاں۔"

"تو اس کے بڑے آنگن میں شمالی دیوار کے قریب جیڑھ کے پانچ درخت کھڑے ہیں۔"

"جی ہاں۔"

"ان پانچ پیڑوں کے گول گھیرے کے عین مرکز میں چاروں طرف سے بیس گز کا فاصلہ ماپ کر کھدائی شروع کر دو۔ تین گز کی گہرائی پر تمہیں ایک آہنی صندوقچہ ملے گا اس میں وہ نیلمی آنکھ ہو گی۔"

ہیمنت سنگھ چپ ہو گیا۔

ایک طویل وقفے کے بعد ہیمنت سنگھ نے پوچھا "کچھ اور معلوم کرنا چاہتے ہو۔؟"

"باقی سب کچھ مجھے معلوم ہے۔" اروند بالی بولا اور اس نے ٹرانسسٹر آف کر دیا۔

ٹرانسسٹر بند ہونے کے بعد کنور امر راج سنگھ اور اروند بالی دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔

"سب سے مشکل کام اب شروع ہوتا ہے۔" کنور بولا۔

"میرا خیال ہے۔ پولیس کی کافی نفری وہاں رہے گی۔؟" اروند مالی

نے پوچھا۔

"اس کی فکر مت کرو۔ مگر ـــ تم جانتے ہو۔؟" وہ ایکا ایک چپ

ہو گیا۔

اروند مالی نے ایک سگار سلگا لیا۔ بولا "اگر میں مر جاؤں تو ایک کام کرنا۔

لکشمی کی شادی کسی اچھی جگہ کر دینا۔ بہت اچھی لڑکی ہے۔"

"بہت اچھا۔" کنور مسکرا کر بولا۔ "اور کنور رانی فیروزہ اور اروناٗ

گھوش کی شادی کہاں کر دوں۔؟"

"ان کی تم فکر مت کرو۔ میں انہیں آج رات مل رہا ہوں۔"

"تم ان کے پاس نہیں جاؤ گے۔" کنور امر راج سنگھ نے اروند مالی

کو دھمکاتے ہوئے کہا۔

"نہیں جاؤں گا تو انہیں شبہ ہو جائے گا۔"

"ہونے دو شبہ۔ بہتر ہے کہ وہ تذبذب میں رہیں۔ رابرٹ ہمبل

کا انتظار کرتی رہیں اور تمہارے ساتھ رانی کھیت نہ جائیں۔ اتنے عرصے

میں رانی کھیت کا الیکشن ختم ہو جائے گا۔ اس کے بعد انہیں ہوش آئے گا۔

سمجھ گئے ـــ؟"

"آل رائٹ۔" اروند مالی نے بددلی سے کہا۔ پھر کچھ سوچ کر بولا ـــ

"مجھے ایک ریوالور چاہیئے۔"

کنور نے جواب دیا ـــ "گھر چلو۔ رات وہیں رہو۔ صبح ضرورت کی

سب چیزیں تمہیں مل جائیں گی۔"

"میرا لکڑ ہارے کا لباس تم لیتے آئے ہو — ؟"
کنور امر راج سنگھ نے اٹیچی کھول کر لباس نکالا ۔ اروند ماما بھیس بدلنے لگا ——

صبح چھ بجے میں تیار ہو کر نیلو کے کمرے کے باہر دستک دے رہا تھا ۔ نیلو تیار ہو کر ایک اٹیچی اٹھائے ہوئے کمرے سے باہر نکلا ۔ مجھے دیکھ کر ذرا سا مسکرا دیا ۔ ذرا سا مسکرانے سے زیادہ وہ کسی طرح کی نرمی جانتا ہی نہ تھا ۔
نیچے ایک طاقتور لینڈ روور کھڑی تھی ۔ ہم دونوں اس میں بیٹھ گئے ۔ نیلو اسٹیرنگ پر بیٹھ گیا ۔ میں اس کی بغل میں ۔ اٹیچی کو اس نے پیچھے کی سیٹ پر اچھال دیا ۔

دن میں نینی دیوی کے مندر کی کھدائی کا کام ہوتا تھا ، اس لیئے ہم نے اپنا کام کرنے کے لئے رات کا انتخاب کیا ۔
رانی کھیت کے جنگل سارے کماؤں میں مشہور ہیں ۔ بے حد گھنے اور میلوں تک پھیلے ہوئے رانی کھیت کے عقب کا پہاڑ عبور کر کے ہم ایک تنگ وادی میں پہنچے ۔ جہاں درختوں سے گھرا ہوا نینی دیوی کا مندر دریافت ہوا تھا ۔ یہ جگہ بہت عرصے تک محفوظ رکھی گئی تھی ۔ اور یہاں شکار کھیلنا بھی منع تھا ۔ پھر اس وادی میں زہریلے سانپ بڑی کثرت سے پائے جاتے تھے —— اس لئے بھی ہر کس و ناکس کو اِدھر آنے کی جرأت نہ ہوتی تھی ۔ جب نینی دیوی کا مندر دریافت ہوا تو وہ ایک ٹیلے کے اندر گھسا ہوا مٹی اور چٹانوں کے انبار کے اندر دھنسا ہوا تھا ۔ اور اس ٹیلے پر سینکڑوں جھاڑیوں اور بیلوں

ے سبز رنگ کا ایک جال سا تن رکھا تھا

نینی دیوی کے اس بڑے اور عالی شان مندر کی دریافت کا سہرا محکمہ آثار قدیمہ کے دو ہندوستانی ماہروں کے سر پر ہے۔ گورو ناتھ مہاجن اور سری وزکار پرساد ۔۔۔ انہوں نے ایک پرانی پالی دستاویز کو پڑھ کر اس مندر کا سراغ لگایا تھا۔ جس میں سے شمالی ہند کے نادر ترین بُت دریافت ہوئے تھے۔ جس میں نینی دیوی کا سفید سنگِ مرمر کا وہ بُت بھی شامل تھا جس کی نیلمی آنکھیں چرائی گئی تھیں۔ اور بہت سے بُت غائب ہو گئے تھے۔ جس کی تفتیش کے لیے مرکزی انٹیلی جنس کے ہیمنت سنگھ نے اپنے خاص گروہ کو مقرر کیا تھا۔

مصیبت یہ تھی کہ یہ چاندنی رات تھی۔ نیلو نے مناسب یہی سمجھا کہ اپنے کسی گروہ کو اس کام میں شامل نہ کرے ۔۔۔ اروند مالی اس تجویز کے خلاف تھا۔ زیادہ لوگ ہوں گے تو زیادہ لوگ پکڑے جائیں گے۔ مگر نیلو بہت ہوشیار تھا۔ غالباً اس کا ارادہ نیلمی آنکھ کو خود سے چرانے کا تھا۔ وہ بلا شرکتِ غیرے اس پر قابض ہونا چاہتا تھا۔

نیلو نے اروند مالی کو قائل کر لیا۔ زیادہ لوگوں کو ساتھ لے جانے سے چاندنی رات میں پکڑے جانے کا بھی شبہ ہے

"پولیس بھی تو تعینات ہے وہاں" اروند مالی نے اعتراض کیا۔

"میں نے معلوم کر لیا ہے" نیلو بولا "صرف دو نفری پولیس پہرے پر ہے۔ دونوں کو قابو کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ ایک تم سنبھال لینا۔ دوسرے کو میں دیکھ لوں گا"

اروند جب کسی طرح نیلو کو قائل نہ کر سکا کہ وہ اپنے پورے گروپ یا گروپ کے

بیشتر افراد کو اپنے ساتھ لے لے تو اس نے بھی لامحالہ اپنا داؤ بدل دیا۔ اب وہ بھی اکیلا ہی نیلو کے ساتھ جائے گا۔ مگر اسے معلوم تھا۔ پولیس مندر کو گھیرے میں لئے ہوئے ہوگی۔ مگر جب تک اروندمالی اشارہ نہ کرے پولیس نیلو سے کسی قسم کا تعرض نہ کرے گی۔

اس سے پہلے اروندمالی کی اسکیم یہ تھی کہ وہ عین موقعے پر مندر کے آنگن میں زمین کو کھودتے ہوئے نیلو اور اس کے گروپ کے آدمیوں کو پکڑوا دے گا۔ اب جب نیلو اکیلا آرہا تھا اُسے نیلو کو وہ نیلمی آنکھ دینا ہوگی اور سائے کی طرح اس کے ساتھ ساتھ رہنا ہوگا تاکہ نیلو اُسے بالآخر اپنے گینگ سے ملا دے۔ یہ عمل بڑا خطرناک تھا، مگر اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہ تھا۔

چاندنی رات میں چیڑھ کے تنے سپاہیوں کی طرح ایستادہ معلوم ہوتے تھے۔ نیلو نے اروندمالی کو اپنے آگے چلنے کے لئے کہا۔ تاکہ اروندمالی ہمیشہ اس کی گولی کی زد میں رہے۔ نیلو نے اپنے کندھے پر ایک بیگ میں کھدائی کا سامان اُٹھا رکھا تھا۔ ہاتھ میں ریوالور تھا۔ وہ بڑی ہوشیاری سے اپنے اردگرد چاروں طرف دیکھتا جاتا تھا۔ مگر کہیں پر اُسے کوئی نظر نہ آیا جس سے اُسے کسی طرح کا شبہ ہوتا۔

جب وہ بڑے مندر کے قریب پہنچ گئے تو درختوں کی اوٹ سے انہوں نے بڑے مندر کے بند دروازے کی طرف دیکھا۔ دروازہ باہر سے بند تھا اور اس پر بھاری قفل پڑا ہوا تھا۔ اور رائفل بردار پولیس کے سپاہی دائیں سے بائیں اور بائیں سے دائیں گردش کرتے تھے۔ وہ سامنے سے غائب ہو جاتے اور مندر کے چاروں طرف کھنچی ہوئی دیوار کے گرد چکر لگا کر پھر سامنے کے دروازے

ر آجاتے۔

نیلو نے گھڑی دیکھ کر کہا۔ "دونوں گشت کرنے والے سپاہی مخالف سمتوں میں جاتے ہیں۔ پندرہ منٹ کے بعد پھر دونوں بڑے دروازے کے سامنے آ کے مل جاتے ہیں۔"

"پندرہ منٹ میں ہم بآسانی دیوار پھلانگ کر دوسری طرف آنگن کے اندر کود سکتے ہیں۔ دروازہ باہر سے بند ہے۔ کسی کو شبہ تک نہ ہوگا۔" اروند الی نے کہا۔

"نہیں۔" نیلو قطعیت سے بولا ——— "ان دونوں سپاہیوں کو بے ہتھیار کر دینا ہی بہتر رہے گا۔ جب دونوں سپاہی دائیں بائیں ایک دوسرے سے رخصت ہو کر پیچھے کی طرف چلنے لگیں تو تم دائیں والے سپاہی پر حملہ کر دو۔ میں بائیں والے پر۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے صاد کیا۔

آدھے گھنٹے تک دھیرے دھیرے زمین پر سرکتے ہوئے مندر کے بہت قریب چلے گئے۔ اس کے بعد نیلو کی تجویز کے مطابق اروند مالی نے دائیں ونگ والے سپاہی پر حملہ کیا ——— اس کی گدی پر پیچھے سے اس زور کا مکا مارا۔ کہ وہ ایک ہی مکے میں چکرا کر زمین پر گر پڑا۔ زمین پر گرتے ہی اروند مالی نے اس کی رائفل اس کے ہاتھ سے الگ کر دی اور اس کے منھ میں کپڑا ٹھونس کے اسے اپنے کندھے پر اٹھا کر سامنے کے دروازے کے قریب درختوں میں لے آیا۔ تھوڑی دیر کے بعد نیلو بھی کیا تھا بھی دوسرے سپاہی کو اٹھائے ہوئے جھنڈ میں پہنچ گیا ——— اروند مالی اس بھاری بھرکم دوسرے سپاہی کے جسم کو نیلو کی پیٹھ سے اتارنے میں جب مدد دینے لگا تو ایکا ایک

اُسے محسوس ہوا کہ سپاہی کی گردن ایک طرف کو ڈھلک گئی ہے۔

"یہ کیا ـــ؟" اروند مالی نے دھیرے سے پوچھا۔ مگر اس کی رگ رگ میں غصّے کی لہریں سی اُٹھنے لگی تھیں۔

نیلو نے کامل لاپرواہی سے کہا ـ" شاید گھونسا زور کا پڑا۔ گردن ٹوٹ گئی ہے۔"

اروند مالی نے دانت بھینچ لئے۔ مگر اندھیرے میں نیلو اس کا ردِعمل نہ دیکھ سکا۔ بڑے اطمینان سے بولا۔

"میں نے اس کی جیب کی تلاشی لے کر اس میں سے قفل کی چابی بھی برآمد کرلی ہے۔ اب ہمیں دیوار پھاند کر اندر جانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

نیلو نے فاتحانہ انداز سے چابیوں کا گچھا ہوا میں لہرایا۔

قفل کھول کر وہ دونوں اندر چلے گئے۔ اندر جا کر نیلو نے دروازہ اچھی طرح سے بند کر دیا۔ اس کے بعد وہ سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھنے لگا۔

بولا ـــ" اب کدھر چلنا ہے ـــ؟"

میں نے کہا ـ" شمالی دیوار کے سائے میں وہ پانچ پیڑ پیڑھ کے دیکھتے ہو ـــ؟"

"ہاں۔"

"وہیں چلو۔"

"تم آگے چلو۔"

میں آگے چلنے لگا۔ پیڑھ کے کنج میں پہنچ کر نیلو نے پوچھا " اب ـ؟" جیسے اُسے مجھ پر کچھ شبہ ہو۔

میں نے جیب سے ماپنے والا ایک فیتہ نکال کر پانچوں درختوں کے درمیان

ر دریافت کیا اور نیلو سے کہا۔
یہاں کی زمین کھود دو ـــــ"
تنی گہری ـــــ؟"
ئی تین گز کے قریب ۔"
و نے اپنا جھولا جو اس کے کندھے پر جھول رہا تھا۔ زمین پر اتار کر کھولا۔
ں سے کدال اور بیلچہ نکالا۔ میں اس وقت اُسے ختم کر سکتا تھا۔
و کو ختم کرنے سے مُردہ سپاہی کا انتقام تو میں لے سکتا تھا مگر پوری
یں نہیں پکڑ سکتا تھا، اس لئے میں نے اپنے غصے کو ٹھنڈا کیا اور
کدال چلا کر زمین کھودتا تھا میں بیلچے سے مٹی ہٹاتا جاتا تھا۔
ن گز کی گہرائی کے بعد ایکا ایک اس کی کدال کسی آہنی چیز سے ٹکرائی۔
سنا کا ہوا۔ نیلو ایک دم رُک گیا۔
آہستہ سے ۔" میں نے اُسے سمجھایا۔
ب وہ بہت احتیاط سے مٹی ہٹانے لگا۔ مٹی ہٹاتے ہٹاتے ایک ـــــ
و قچہ دستیاب ہوا۔ اُسے اٹھائے نیلو شگاف کے باہر نکل آیا۔
سندوقچہ پر قفل پڑا تھا۔
اب ـــــ؟"
ں نے جیب سے ایک چابی نکال کر کہا۔ "گھبراؤ نہیں۔ اس کی
ے پاس ہے۔"
ں نے چابی نیلو کے ہاتھ میں دے دی۔ اس کی انگلیاں کانپ رہی

لو نے صندوقچہ کھولا۔

اندر ایک اور صندوقچی بند تھی۔

"اس کی چابی بھی میرے پاس ہے اور اب تم جب اسے کھولو
اس صندوقچی کے اندر تیتی دیوی کی آنکھ پاؤ گے۔"

نیلو نے میرے ہاتھ سے چابی لے کر اس صندوقچی کو کھولا۔

جب ڈھکنا اٹھایا تو ــــــــ

صندوقچی خالی تھی۔

"ہائیں" میرے منھ سے حیرت سے نکلا۔

دوسرے لمحے ایک زوردار گھونسا میری گردن کی طرف آیا۔ اگر
ہوشیار نہ ہوتا اور اپنے آپ کو بچا نہ لیتا تو یہ آہنی گھونسا ضرور میری
توڑ دیتا۔ نیلو نے دوسرا وار کیا اور دانت پیس کر بولا۔

"تم نے مجھ سے دھوکا کیا ہے۔"

"ہرگز نہیں۔ نیلو ــــ" میں نے بڑی ملائمیت سے اس سے کہ

دوسرے وار سے بھی پرے ہٹ گیا ــــ "دھوکا مجھ سے ہوا ہے۔
صندوقچی میں وہ نیلمی آنکھ بند تھی۔ دیکھتے نہیں ہو، قفل ــــ دونوں
سے بند ہیں ــــ"

"اس سے کیا ہوتا ہے بدمعاش۔" وہ چلا کر مجھ پر پل پڑا
کیراٹ اور جوڈو کے دونوں فن آتے تھے۔ آتے تو مجھے بھی تھے، لیکن ان
علاوہ میں ہندوستانی کشتی کے داؤ پیچ بھی جانتا تھا۔ کیراٹ کے دو
خالی دینے کے بعد میں بھی اس پر پل پڑا اور گھونسے کا جواب گھونسے
ککے کا جواب مکے اور ٹھوکر کا جواب ٹھوکر سے دینے کے بعد میں نے د

اُسے اپنے دونوں ہاتھوں میں اٹھا کر نیچے زمین پر زور سے گرانے
کہ ایکا ایک جانے اس نے کیسی پٹخنی کھائی اور مجھ سے الگ ہو گیا۔
سے ریوالور نکال کر میری طرف آگے بڑھا۔ اب میری موت یقینی تھی۔
آنکھوں میں شیطانیت اور ہلاکت کے تاریک سائے بڑھتے ہوئے
۔

لاڈی انڈین ۔" اس نے دانت پیس کر کہا۔
لاڈی طراٹو ۔" میں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔
بتاؤ وہ نیلی آنکھ کہاں ہے۔ فوراً جواب دو۔ ورنہ یہ گولی تمہارے
ے پار ہو گی "
وہ نیلی آنکھ میرے پاس ہے " ایکا ایک جھاڑیوں کے جھنڈ سے ایک
اور کوئی نیلو کے پیچھے کودا۔ نیلو پیچھے مڑنے والا ہی تھا کہ کسی نے
نال اس کی پیٹھ سے لگا کر کہا۔ " ریوالور پھینک دو اور دونوں
ر کے چپ چاپ کھڑے رہو ورنہ ابھی نیلی زبان دی جائے گی "
ایک عورت کی آواز تھی۔ لیکن اس آواز میں بلا کی مضبوطی تھی کہ نیلو
و یہ عورت کہہ رہی ہے بالکل سچ کہہ رہی ہے۔ اس نے پستول
ور دونوں ہاتھ اوپر کر دیئے۔
تم بھی ۔" اس عورت نے میری طرف اشارہ کیا۔ " دونوں ہاتھ
ے۔ "
چکر سا آنے لگا ــــ یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔ کیا مُردے بھی اُس دنیا
دنیا میں آ کر زندہ ہو جاتے ہیں۔
ے سامنے۔ ہم دونوں کے سامنے شانتا بنرجی کھڑی تھی۔ وہی شانتا

جو بمبئی سے آنے والی گاڑی میں زبردستی میرے ڈبے میں گھس آئی تھی۔ جس
لاش کو میں نے ریل کے ایک باتھ روم میں ٹھنسا دیکھا تھا۔

"تم حیرت سے میری طرف کیا دیکھ رہے ہو۔؟" شانتا مسکر

"وہ ماتھے پر پستول کا زخم نقلی تھا اور میں یوگا جانتی ہوں اپنی نبض جیا
کے لیے بند کر سکتی ہوں۔"

اتنا کہہ کر وہ زور سے ہنسی۔ پھر میری طرف دیکھ کر مخاطب ہوئی

"کہو تم کیسے ہو۔ میرے ایک رات کے شوہر۔۔۔؟"

میں نے کہا۔ "مگر وہ نیلمی آنکھ کیا ہوئی۔ میں قسم کھا کے کہہ سکتا
وہ اس صندوقچی میں بند تھی۔"

"اسے میں نے نکال لیا۔"

"کیسے۔۔۔؟ تم کو کیسے پتہ چلا۔۔۔؟"

وہ پھر زور سے ہنسی "تم مرد بہت بے وقوف ہوتے ہو۔ جب
کنور امر راج سنگھ ہیمنت سنگھ سے جنگل میں وائرلیس ٹرانسمٹر سے باتیں
تھے کوئی اور بھی اس جنگل میں موجود تھا۔"

"کون۔۔۔؟"

"سامنے آجاؤ پیاری۔۔۔" شانتا نے درختوں کے پیچھے کی ط
کسی کو آواز دی۔

قدموں کی آواز تاریکی سے اجالے کی طرف بڑھنے لگی۔ پھر میں چکرا کھا
۔۔۔۔ یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔۔۔ میرے سامنے ٹلکشمی کھڑی تھی۔

"اس بھولی بھالی دیہاتی لڑکی کو پہچانتے ہو۔ جسے تم نے اس کے
سے خریدا تھا۔ یہ بھولی بھالی دیہاتی لڑکی نہیں ہے۔ ایم اے پاس ہے

ہمراز ہے۔ ہمارے گینگ میں شامل ہے۔"

ایکاایک نیلو اپنی جگہ سے خطرناک طریقے سے اُچھلا۔ شانتا پر حملہ کرنے کے لئے۔ پستول کی گولی چلنے کی آواز تک نہ آئی۔ مگر وہ زمین پر گر اجا رہا تھا۔

"میرا ریوالور بے آواز ہے نا ـــ" شانتا آہستہ سے بولی۔

"لکشمی تم بھی ـــ؟" میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ وہ اس وقت ایک بہت عمدہ اسکرٹ اور بلاوز پہنے ہوئے تھی اور سر پر اس نے اسکارف باندھ رکھا تھا

"ہاں مالک ـــ" لکشمی میری طرف دیکھ کر مسکرائی "میرا باپ بھی کوئی غریب ہری جن نہیں ہے۔ اسی گینگ کا ایک معزز ممبر ہے۔ کہو میرا بھیس پسند آیا ـــ؟"

نیلو زمین پر تڑپ رہا تھا۔

"چند منٹ میں مر جائے گا۔" شانتا نے مدھم کے جذبات سے عاری آواز میں کہا۔ پھر میری طرف دیکھ کر بولی ـــ "چند منٹ میں تم بھی مر جاؤ گے۔"

شانتا نے ریوالور کا رُخ میری طرف کیا۔

"مگر ـــ" لکشمی گھبرا کر بولی ـــ "تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا اس کی جان نہ لو گی ـــ نیلمی آنکھ تمہارے قبضہ میں آگئی۔ میری کار کردگی سے ...... کیا یہ کافی نہیں ہے ـــ"

"تم نہیں جانتی ہو لکشمی۔ یہ اردندالی کس قدر خطرناک آدمی ہے۔ یہ اگر زندہ رہا تو چونکہ یہ ہمارے راز سے واقف ہو چکا ہے۔ اس لئے کبھی نہ کبھی پھر ہماری گینگ پر حملہ کرکے ہمیں تہس نہس کر دے گا۔"

"مگر تم نے وعدہ ......" لکشمی اصرار کرتے ہوئے کچھ کہنے لگی۔

اگلے چند لمحوں میں جو کچھ ہوا اس کا مجھے اس وقت کوئی اندازہ نہ ہو سکا ۔ مجھے اتنا معلوم ہوا کہ لکشمی کا فقرہ مکمل ہونے سے پہلے شانتا نے مجھ پر گولی چلائی اور ساتھ ہی بجلی کی سی سُرعت سے لکشمی میرے اور اس کے درمیان آ گئی ، اور ایک زور کی " ہائے ،، کے ساتھ زمین پر گر پڑی ۔ خون اس کے جسم سے بہنے لگا ۔ میں نے اُسے گرتے دیکھ کر زور کی سیٹی بجائی ۔ یہ سیٹی جنگل میں مندر کے چاروں طرف چھپے ہوئے پولیس والوں کے لئے ایک سگنل تھا ۔

" لکشمی یہ تم نے کیا کیا ۔ ؟ " میں زمین پر گری ہوئی لکشمی کو اٹھانے لگا ۔

اتنے میں شانتا نے بھی میرے سگنل کو بھانپ لیا تھا اور وہ فوراً مندر کے اندر دوڑتی چلی گئی ۔

میں نے لکشمی کو وہیں چھوڑ دیا ۔ اور جیب سے اپنا گلابی پستول نکال کر شانتا کے پیچھے بھاگا ، مگر وہ میرے پستول کی زد سے آگے جا چکی تھی ۔ میں تیز تیز قدموں سے آگے بڑھتا گیا ۔

شانتا ایک زمین دوز راستے میں گھس گئی ۔ میں اس کے پیچھے پیچھے چلا گیا ۔ شانتا کو اتنا موقعہ بھی نہ ملا کہ وہ اس خفیہ زمین دوز راستے کو بند کر سکے ۔

یہ ایک لمبی سی سُرنگ تھی ۔ شانتا بہت تیزی سے دوڑتی ہوئی آگے چلی گئی ۔ اور ایک موڑ پر میری نگاہوں سے گُم ہو گئی ۔

بھاگتے بھاگتے مجھے زور کی ٹکر لگی ۔ میرا سر ایک چٹان سے ٹکرا گیا تھا ۔ ماتھے سے خون بہنے لگا ۔ مگر شکر ہے ماتھا نہیں پھوٹا ۔ دراصل یہاں راستہ بہت تنگ اور چھوٹا سا تھا ۔ اور زمین سے گھسٹ کر جانا پڑتا تھا ۔ میں اس راستے سے واقف نہ تھا ، اس لئے چوٹ کھا گیا ۔ شانتا اسی راستے سے بھاگی تھی ۔ مگر ایک مرد کے مقابلے میں اس کا جسم دُبلا تھا ۔ اس لئے وہ اس تنگ اور

ٹے ہوئے راستے سے آسانی سے نکل گئی ۔ اور مجھے زمین سے گھسٹتے گھسٹتے اس
تنگ غار سے نکلنے میں کوئی پندرہ بیس منٹ لگ گئے ۔ ممکن ہے آدھ گھنٹہ بھی لگ
گیا ہو ۔
جب اس غار سے باہر نکلا ۔ تو ایکا ایک جنگل کی کھلی ہوا نے مجھے چاروں
طرف سے چھو لیا ۔
میں نے دیکھا کہ میں ایک کشادہ ٹلھٹی کے سرے پر ہوں اور میرے سامنے
گھاس کا ایک لمبا قطعہ پھیلا ہوا ہے ۔
ایکا ایک میرے نتھنوں میں پٹرول کی بو آئی ۔ پھر ایک گھر گھر کرتی ہوئی
انجن سنائی دی ۔
ایکا ایک میں نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی ۔
ہوا میں درختوں کی چوٹیوں سے ذرا اوپر ایک ہیلی کوپٹر بلند ہو رہا تھا ۔ میں
نے غصے سے اپنا ہونٹ کاٹ لیا ۔ میں جیسے جیب سمجھا تھا وہ ہیلی کوپٹر نکلا ۔ اس
ہیلی کوپٹر کی مدد ہی سے رابرٹ ہیل اپنے مندر کے بت باہر بھجوا دیا کرتا ہو گا ۔
ہیلی کوپٹر درختوں کی چوٹیوں سے بلند ہونے لگا تھا ۔ میں گھاس کے قطعے
کے بیچ میں سر اٹھائے اُسے دیکھ رہا تھا ۔
ایکا ایک کسی نے ہیلی کوپٹر سے میری طرف دیکھ کر کہا ۔
" الوداع ۔ میری ایک رات کے شوہر ۔۔۔ پھر ملیں گے ۔ "
یہ شانتا کی فاتحانہ آواز تھی ۔

۱۵

ہسپتال کے کاریڈور میں اروند مالی بے صبری سے ٹہل رہا تھا۔ اس کی نگاہیں کمرہ نمبر ۲ پر تھیں۔ جس کے دروازے پر لال بتی روشن تھی۔

چند منٹ کے بعد ہیمنت سنگھ کمرہ نمبر ۲ سے نکلا۔

اروند مالی دوڑ کر اس کے پاس گیا۔

"اس کا کیا حال ہے۔؟ بچ جائے گی۔؟؟"

ہیمنت سنگھ بولا ـــــ "نیلو تو مر چکا ہے۔"

"میں نیلو کے بارے میں نہیں پوچھتا۔" اروند مالی نے بڑی بے تابی سے کہا ـــــ "لکشمی کے بارے میں پوچھتا ہوں۔"

ہیمنت سنگھ بولا ـــــ "میں نے بدھ وہار کے بُتوں کو چرانے والے گروہ کو پکڑنے کے لئے احکام صادر کر دیئے تھے۔ آٹھ آدمی گرفتار کر لئے گئے ہیں۔"

"لکشمی اب کیسی ہے۔؟ کیا وہ زندہ ہے۔؟؟ تم مجھے بتاتے کیوں نہیں ہو۔؟؟؟"

"تم نے ٹھیک سوچا تھا۔ رابرٹ ہیلی کے گینگ میں پھوٹ پڑ گئی تھی۔ مگر تم نے یہ غلط سوچا کہ نیلو دوسری گینگ کا سرغنہ ہے۔ وہ خاتون کا کمرہ جس کی تلاشی تم نے لی تھی وہ کسی مغربی عورت کا کمرہ نہ تھا۔ اس کمرے میں شانتا بنرجی رہتی تھی۔ وہی دوسری گینگ کی سرغنہ تھی۔ وہی نیلی دیوی کی دونوں اصلی آنکھیں لے گئی۔" ہیمنت سنگھ ہاتھ ملتے ہوئے بولا ـــــ "اب میلے کے اندر نیلی دیوی کے چہرے پر نقلی آنکھیں فٹ کرنا ہوں گی۔"

"اگر تم مجھے جلدی نہیں بتاؤ گے تو میں اندھا ہو جاؤں گا۔" اروند مالی گلو گیر

لہجے میں بولا۔

ہیمنت سنگھ مسکرا کر بولا "وہ بچ گئی ہے۔ گولی کسی خطرناک مقام پر نہیں لگی۔ وہ زندہ ہے۔ اور چونکہ وہ زندہ ہے، اس لیے اس کے ذریعہ گینگ کے باقی لوگوں کی نشان دہی بہت جلدی ہو جائے گی"

مگر اس کے آگے اروند مالی نے کچھ بھی نہ سُنا۔ وہ دوڑتا ہوا کمرہ نمبر ۲ کی طرف بھاگا۔ دل اُچک کر اس کے گلے میں آ گیا تھا۔

دبے پاؤں میں کمرہ نمبر ۲ میں داخل ہوا۔ سب سے پہلے مجھے لکشمی کا سر نظر آیا۔ بڑے بڑے تکیوں میں ٹکا ہوا۔ اس کا سپید، ستا ہوا، کمزور، خوبصورت پیارا چہرہ۔ مجھے دیکھ کر اس کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔ اس کی آنکھوں کی پلکیں کانپنے لگیں۔ میں جلدی سے آگے بڑھا۔ بڑی رسانیت سے جُھک کر میں نے پلنگ پر اس کے چہرے کو اپنی گود میں لے لیا۔ اس کے بازو میری گردن میں حمائل ہو گئے۔ وہ دھیرے سے بولی ـــ "میرے مالک ـــ"

میں جو کبھی نہ رویا۔ ایکا ایک رونے لگا۔ ٹپ ٹپ میرے آنسو اس کے چہرے پر بہتے گئے۔

مگر یہ خوشی کے آنسو تھے۔

ہماری مطبوعات

ناول

کتاب	مصنف	قیمت
نرملا	منشی پریم چند	۲/-
کارنیوال	کرشن چندر	۲/۵۰
ایک عورت ہزار دیوانے	"	۲/-
دل کی وادیاں سو گئیں	"	۲/-
ہانگ کانگ کی حسینہ	"	۱/-
مٹی کے صنم	"	۱/-
زرگاؤں کی رانی	"	۱/-
پیار ایک خوشبو	"	۲/-
دل کی دنیا	عصمت چغتائی	۱/-
جنگلی کبوتر	"	۲/-
ایک معمولی لڑکی	بلونت سنگھ	۱/-
عورت اور آبشار	"	۱/-
خوشبو کا خواب	اے۔ حمید	۲/-
ڈاک بنگلہ	"	۲/-
لندن کی ایک رات	سجاد ظہیر	۱/-
شہید	ملک راج آنند	۱/-
خلش	امرتا پریتم	۱/-
باشٹھ دن	دت بھارتی	۲/-

جگنو اور ستارے	جیلانی بانو	۱/-
سات ہندوستانی	خواجہ احمد عباس	۲/۷۰
جھیل کے اُس پار	گلشن نندہ	۳/-
کٹی پتنگ	"	۳/-
پیاسا ساون	"	۳/-
میلی چاندنی	"	۲/-
بنارگلی	ہنسراج رہبر	۱/-
بن بیاہی ماں	گوربخش سنگھ	۱/-
محبت یا ہوس	ٹالسٹائی	۱/-
یاد	پرل بک	۱/-
قصہ چار درویش	میر امن دہلوی	۱/-
فسانۂ عجائب	رجب علی بیگ سرور	۱/-

جاسوسی ناول

خونی کنگن	کرنل رنجیت	۳/-
قتل کا راز	"	۱/۵۰
چھ لاشیں	"	۱/-
وہ کون تھا؟	"	۳/-
ٹیڑھی انگلیاں	"	۳/-
سانپ کی بیٹی	"	۲/-

افسانے

پلنگ	اوپیندر ناتھ اشک	۱/-

ایک عورت ہزار جلوے	علی عباس حسینی	1/-
فرانس کے عظیم ناول (اختصار)	مرتبہ: رانگیے راگھو	1/-
روس کے عظیم ناول	″	1/-
انگریزی کے عظیم ناول	″	1/-

طنز و مزاح

کالج کے ٹکڑے	کرشن چندر	1/-
فلمی قاعدہ	″	1/-
مہمان	راجندر سنگھ بیدی	1/-
گستاخیاں	کنہیا لال کپور	1/-
کامریڈ شیخ چلی	″	1/-
وارنٹ گرفتاری	فکر تونسوی	1/-
نئے شگوفے	شفیق الرحمٰن	1/-
بک رہا ہوں جنوں میں	پرکاش پنڈت	1/-

شعر و شاعری

میخانہ	مرتبہ: پرکاش پنڈت	2/-
استاد شاعروں کا کلام	″	2/-
حسن و عشق	″	2/-
اردو شاعری کی رنگینیاں	″	2/-
اردو کی بہترین غزلیں	″	1/-
اردو کی بہترین رومانی نظمیں	″	1/50
پاکستان کی اردو شاعری	″	1/-

۱۹۶۶ء کی منتخب شاعری	مرتبہ: پرکاش پنڈت	1/-
بہترین رباعیاں اور قطعے	"	1/-
گلکاریاں	فراق گورکھپوری	1/-

اخلاقیات

میری سنو	خلیل جبران	1/-
انمول موتی	مرتبہ: مانس ہنس	1/-

جنسیات

عورت مرد	ڈاکٹر لکشمی نارائن	1/50
برتھ کنٹرول	"	1/50
جنسی مسائل	"	1/-
میاں بیوی کے جنسی تعلقات	"	1/50
جنسی تعلقات کے عجیب غریب پہلو	"	1/-
شادی کے بعد	"	1/50

متفرق

آپ بیتی (سوانح)	خان عبدالغفار خاں	3/-
لال بہادر شاستری (سوانح)	مہاویر ادھیکاری	1/-
جان پہچان (افسانہ نگاروں سے انٹرویو)	نریش کمار شاد	1/-
ادبی لطیفے	مرتبہ: نریش کمار شاد	1/-

ہند پاکٹ بکس پرائیویٹ لمیٹڈ

جی - ٹی - روڈ ، شاہدرہ ، دہلی ۳۲

'آنکھ کی چوری' بین الاقوامی شہرت
کے مالک کرشن چندر کا نیا ناول
ہے، جس میں ایسے گروہوں کی
کہانی پیش کی گئی ہے جو قدیم
مورتیوں کو چوری چھپے غیر ممالک
میں لے جانے کا دھندا کرتے ہیں۔
اس سنسنی خیز ناول کو آپ شروع کر کے
پورا پڑھے بنا نہیں چھوڑ سکتے۔

ہند
پاکٹ
بکس